

قرآن کے سات حروف

حدیث سبعہ احرف کے مفہوم سے متعلق زیر نظر تحریر کو ہم نے مفتی محمد تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'علوم القرآن' کے حصہ اول، جو قرآن کریم کی نص کے بارے میں ہے، کے باب سوم سے اخذ کیا ہے اور مکمل تحریر کو بغیر کسی تبدیلی اور حک و اضافہ کے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ 'سبعہ احرف' کی تعیین کے بارے میں عام اہل فن مثلاً امام ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے موقف کے ضمن میں اردو زبان میں پیش کردہ تحریروں میں سے اس تحریر کو بہترین نمائندہ تحریر قرار دیا جاسکتا ہے، جس میں 'حروف سبعہ' سے متعلق کئی امور سے متعلق وضاحت اضافی طور پر آگئی ہے۔ ادارہ 'رشد' کو اگرچہ اس سلسلہ میں 'روایتی موقف' سے کلی اتفاق نہیں، لیکن جس متانت و سنجیدگی سے حضرت نے اس معرکتہ الاراء اور الجحجھے ہوئے موضوع کی نقاب کشائی فرمائی ہے، وہ انتہائی قابل قدر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مضمون پر حلقہ 'اشراق' سے وابستہ دانشور انور عباسی کی کتاب 'انسانیت، ہدایت کی تلاش' میں 'پیش کردہ تفصیلی تنقید کو ہم سراسر غلط سمجھتے ہیں، جس میں موصوف کے دلائل کا جائزہ ہم ان شاء اللہ رشد قراءات نمبر (حصہ دوم) کے آئندہ شمارے میں ایک مستقل مضمون کی صورت میں تفصیلاً پیش کریں گے۔' [ادارہ]

صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ فَاقْرَأْ وَامَّا تَبَسَّرَ مِنْهُ» [صحیح البخاری: ۳۹۹۲]

”یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس اُس میں سے جو تمہارے لیے آسان ہو اُس طریقے سے پڑھ لو۔“

اس حدیث میں قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟ یہ بڑی معرکتہ الاراء اور طویل بحث ہے اور بلاشبہ علوم قرآن کے مشکل ترین مباحث میں سے ہے، یہاں یہ پوری بحث تو نقل کرنا مشکل ہے، لیکن اس کے متعلق ضروری ضروری چند باتیں پیش خدمت ہیں:

جو حدیث اوپر نقل کی گئی ہے وہ معنی کے اعتبار سے متواتر ہے، چنانچہ مشہور محدث امام ابو عبید بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کے تواتر کی تصریح کی ہے اور حدیث و قراءات کے معروف امام علامہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مستقل کتاب (جزء) میں اس حدیث کے تمام طرق جمع کئے ہیں اور اُن کے مطابق یہ حدیث حضرت عمر بن خطاب، ہشام بن حکیم بن حزام، عبدالرحمن بن عوف، اُبی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابو ہریرہ، عبداللہ ابن عباس، ابوسعید خدری، حذیفہ بن یمان، ابوبکرہ، عمرو بن عاص، زید بن ارقم، انس بن مالک، سمرہ بن جندب، عمر ابن ابی سلمہ، ابوہم، ابوطمہ اور اُم ایوب انصاریہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ [النشر فی القراءات العشر: ۳۱۱] اس کے علاوہ متعدد محدثین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منبر پر یہ اعلان فرمایا کہ وہ تمام

☆ شیخ الحدیث و نائب صدر دارالعلوم، کراچی و مصنف کتب کثیرہ

جون ۲۰۲۰ء

حضرات کھڑے ہو جائیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث سنی ہو کہ:
 ”قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک شافی اور کافی ہے۔“
 چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہو گئی، جسے شار نہیں کیا جاسکا۔ [سنن النسائي: ۹۳۱]

حروف سبعہ کا مفہوم

اس حدیث میں سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سات حروف پر قرآن کریم کے نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں آراء و نظریات کا شدید اختلاف ملتا ہے، یہاں تک کہ علامہ ابن عربی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس باب میں ۳۵ اقوال شمار کئے ہیں۔ [البرهان في علوم القرآن: ۲۱۲/۱] یہاں اُن میں سے چند مشہور اقوال پیش خدمت ہیں:

① بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد سات مشہور قاریوں کی قراءتیں ہیں، لیکن یہ خیال تو بالکل غلط اور باطل ہے، کیونکہ قرآن کریم کی متواتر قراءتیں ان سات قراءتوں میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ اور بھی متعدد قراءتیں متواتر کے ساتھ ثابت ہیں، یہ سات قراءتیں تو محض اس لیے مشہور ہو گئیں کہ علامہ ابن مجاہد نے ایک کتاب میں اُن سات مشہور قراءتیں جمع کر دی تھیں، نہ اُن کا یہ مقصد تھا کہ قراءتیں سات میں منحصر ہیں، اور نہ وہ حروف سبعہ کی تفریح ان سات قراءتوں سے کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

② اسی بناء پر بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حروف سے مراد تمام قراءتیں ہیں، لیکن ’سات‘ کے لفظ سے سات کا مخصوص عدد مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد کثرت ہے اور عربی زبان میں سات کا لفظ محض کسی چیز کی کثرت بیان کرنے کے لیے اکثر استعمال ہو جاتا ہے، یہاں بھی حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم جن حروف پر نازل ہوا وہ مخصوص طور پر سات ہی ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم ’بہت سے طریقوں سے نازل ہوا ہے، علماء متقدمین میں سے قاضی عیاض رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ [أوجز المسالك إلى موطأ الإمام مالك: ۳۵۶/۲] اور آخری دور میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی یہی قول اختیار فرمایا ہے۔

[مصنفی شرح موطأ: ۱۸۷/۱]

لیکن یہ قول اس لیے درست معلوم نہیں ہوتا کہ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

«أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَأَجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ وَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى سَبْعَةِ أَحْرَافٍ» [بخاری: ۱۳۳/۱]

”مجھے جبریل علیہ السلام نے قرآن کریم ایک حرف پر پڑھایا، تو میں نے ان سے مراجعت کی اور میں زیادتی طلب کرتا رہا اور وہ (قرآن کریم کے حروف میں) اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ سات حروف تک پہنچ گئے۔“

اس کی تفصیل صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ بنو غفار کے تالاب کے پاس تھے:

«فَأَتَانَا جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ بِأَمْرِكَ أَنْ تَقْرَأَ أَمَّا الْقُرْآنُ عَلَى حَرْفٍ، فَقَالَ أَسْأَلُ اللَّهَ مَعَاْفَاتِهِ وَمَغْفِرَتَهُ وَأَنْ أَمْتِي لَا تَطْبِقَ ذَلِكَ ثُمَّ أَنَا الْثَانِيَةُ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ بِأَمْرِكَ أَنْ تَقْرَأَ أَمَّا الْقُرْآنُ عَلَى حَرْفَيْنِ فَقَالَ أَسْأَلُ اللَّهَ مَعَاْفَاتِهِ وَمَغْفِرَتَهُ وَأَنْ أَمْتِي لَا تَطْبِقَ ذَلِكَ، ثُمَّ جَاءَتْهُ الثَّالِثَةُ

فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ بِأَمْرِكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمْتُكَ الْقُرْآنَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَحْرَفٍ فَقَالَ أَسْأَلُ اللَّهَ عَافَاتِهِ وَمَغْفِرَتَهُ
وَأَنْ أُمْنِي لَا تَطِيقُ ذَلِكَ ثُمَّ جَاءَهُ الرَّابِعَةُ فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ بِأَمْرِكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمْتُكَ الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ
أَحْرَفٍ فَأَيُّمَا حَرْفٍ قَرَأَ وَاعْلِيهِ فَقَدْ أَصَابُوا» [مناهل العرفان: ۱۳۳۱]

”پس حضور ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ کی (ساری) اُمت قرآن کریم کو ایک ہی حرف پر پڑھے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں، میری اُمت میں اس کی طاقت نہیں ہے، پھر جبریل علیہ السلام دوبارہ آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی اُمت قرآن کریم کو دو حروف پر پڑھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں، میری اُمت میں اس کی طاقت نہیں ہے، پھر وہ تیسری بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی اُمت قرآن کریم کو تین حروف پر پڑھے، آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں، میری اُمت میں اس کی طاقت نہیں ہے، پھر وہ چوتھی بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ کی اُمت قرآن کو سات حروف پر پڑھے، پس وہ جس حرف پر پڑھیں گے اُن کی قراءت درست ہوگی۔“

ان روایات کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہاں سات سے مراد محض کثرت نہیں، بلکہ سات کا مخصوص عدد ہے، اس لیے ان احادیث کی روشنی میں یہ قول قابل قبول معلوم نہیں ہوتا، چنانچہ جمہور نے اس کی تردید کی ہے۔

۳ بعض دوسرے علماء مثلاً حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث میں سات حروف سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں، چونکہ اہل عرب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر قبیلہ کی زبان عربی ہونے کے باوجود دوسرے قبیلہ سے تھوڑی تھوڑی مختلف تھی اور یہ اختلاف ایسا ہی تھا جیسے ایک بڑی زبان میں علاقائی طور پر تھوڑے تھوڑے اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان مختلف قبائل کی آسانی کیلئے قرآن کریم سات لغات پر نازل فرمایا، تاکہ ہر قبیلہ اُسے اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکے۔ [تفسیر ابن جریر: ۱۵۸/۱] امام ابو حاتم بھتانی رحمہ اللہ نے ان قبائل کے نام بھی معین کر کے بتا دیئے ہیں: قریش، ہذیل، تمیم، ازہر، ربیعہ، ہوازن اور سعد بن بکر۔ حافظ ابن عبدالبر نے بعض حضرات سے نقل کر کے اُن کی جگہ یہ قبائل بتائے ہیں۔ ہذیل، کنانہ، قیس، ضبہ، تیم الرباب، اسد ابن خزیمہ اور قریش۔ [فتح الباری: ۲۲۹، روح المعانی: ۲۱۸]

لیکن بہت سے محققین مثلاً حافظ ابن عبدالبر، علامہ سیوطی اور علامہ ابن الجوزی رحمہم اللہ وغیرہ نے اس قول کی بھی تردید کی ہے۔ اوّل تو اس لیے کہ عرب کے قبائل بہت سے تھے۔ ان میں صرف ان سات کے انتخاب کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کے درمیان قرآن کریم کی تلاوت میں اختلاف ہوا، جس کا مفصل واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے، حالانکہ یہ دونوں حضرات قریشی تھے اور آنحضرت ﷺ نے دونوں کی تصدیق فرمائی اور وجہ یہ بتائی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، اگر سات حروف سے مراد سات مختلف قبائل کی لغات ہوتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ میں اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہئے تھی، کیونکہ دونوں قریشی تھے۔ [النشر فی القراءات العشر: ۲۵۱، فتح الباری: ۲۳۹]

اگرچہ علامہ آلوسی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ”ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو آنحضرت ﷺ نے قریش کے علاوہ کسی اور لغت پر قرآن پڑھایا ہو۔“ [روح المعانی: ۲۱۸] لیکن یہ جواب کمزور ہے، کیونکہ مختلف لغات میں قرآن کریم کے نازل ہونے کا منشاء یہی تو تھا کہ ہر قبیلہ والا اپنی لغت کے مطابق آسانی سے اُس کو پڑھ سکے، اس

لیے یہ بات حکمت رسالت ﷺ سے بعید معلوم ہوتی ہے کہ ایک قریشی کو دوسری لغت پر قرآن کریم پڑھایا گیا ہو۔ اس کے علاوہ اس پر امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ سات حروف سے مراد سات قبائل کی لغات ہیں، تو یہ اس آیت کے خلاف ہوگا جس میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ﴾ [ابراہیم: ۴]

”اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں۔“

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قوم قریش تھی، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ قرآن صرف قریش کی لغت پر نازل ہوا ہے۔ [مشکل الآثار: ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷] امام طحاوی رحمہ اللہ کی اس بات کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی جمع ثانی کا ارادہ فرمایا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو مصحف تیار کرنے کا حکم دیا، اس وقت انہیں یہ ہدایت فرمائی تھی:

إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَالْكُتُبُوهْ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ

[صحیح البخاری: ۳۵۰۶]

”جب قرآن (کی کتابت) میں تمہارے درمیان کوئی اختلاف ہو تو اُسے قریش کی لغت پر لکھنا، کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔“

اس میں حضرت عثمان نے تصریح فرمادی ہے کہ قرآن صرف قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے، رہا یہ سوال کہ پھر اختلاف پیش آنے کا کیا مطلب ہے؟ سواس کا مفصل جواب ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

اس کے علاوہ اس قول کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ ’حرف سبعہ‘ اور ’قراءات‘ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، قراءات کا اختلاف جو آج تک موجود ہے وہ صرف ایک حرف یعنی لغت قریش کے اندر ہے اور باقی حروف یا منسوخ ہو گئے یا مصلح نہیں ختم کر دیا گیا۔ اس پر دوسرے اشکالات کے علاوہ ایک اشکال یہ بھی ہوتا ہے کہ پورے ذخیرہ احادیث میں کہیں اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلافات تھے، ایک سبعہ احرف کے اور ایک قراءات کے، بلکہ احادیث میں جہاں کہیں قرآن کریم کے کسی لفظی اختلاف کا ذکر آیا ہے وہاں صرف ’احرف‘ کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے، قراءات کا کوئی جداگانہ اختلاف بیان نہیں کیا گیا، ان وجوہ کی بناء پر یہ قول بھی نہایت کمزور معلوم ہوتا ہے۔

③ چوتھا مشہور قول امام طحاوی کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نازل تو صرف قریش کی لغت پر ہوا تھا، لیکن چونکہ اہل عرب مختلف علاقوں اور مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک کے لیے اس ایک لغت پر قرآن کریم کی تلاوت بہت دشوار تھی، اس لیے ابتداء اسلام میں یہ اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کر لیا کریں۔ چنانچہ جو لوگوں کے لیے قرآن کریم کے اصلی الفاظ سے تلاوت مشکل تھی، ان کے لیے خود آنحضرت ﷺ نے ایسے مرادفات متعین فرمادیئے تھے جن سے وہ تلاوت کر سکیں، یہ مرادفات قریش اور غیر قریش دونوں کی لغات سے منتخب کئے گئے تھے اور یہ بالکل ایسے تھے جیسے تعالٰیٰ کی جگہ ہلم یا اقبل یا اذن پڑھ دیا جائے۔ معنی سب کے ایک ہی رہتے ہیں، لیکن یہ اجازت صرف اسلام کے ابتدائی دور میں تھی، جبکہ تمام اہل عرب قرآنی زبان کے پوری طرح عادی نہیں ہوئے تھے، پھر رفتہ رفتہ اس قرآنی زبان

کا دائرہ اثر بڑھتا گیا۔ اہل عرب اس کے عادی ہو گئے اور ان کے لیے اسی اصلی لغت پر قرآن کی تلاوت آسان ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام سے قرآن کریم کا آخری دور کیا۔ جسے عرضہ اخیرہ کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ مرادفات سے پڑھنے کی اجازت ختم کر دی گئی اور صرف وہی طریقہ باقی رہ گیا جس پر قرآن نازل ہوا تھا۔ [مشکل الآثار: ۱۸۶/۳، ۱۹۱۲]

اس قول کے مطابق 'سات حروف' والی حدیث کسی مخصوص زمانے سے متعلق ہے، جب تلاوت میں مرادفات استعمال کرنے کی اجازت تھی اور اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، بلکہ مطلب یہ تھا کہ وہ اس وسعت کے ساتھ نازل ہوا ہے کہ اُسے ایک مخصوص زمانے تک سات حروف پر پڑھا جاسکے گا اور سات حروف سے بھی مراد یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم کے ہر کلمہ میں سات مرادفات کی اجازت ہے، بلکہ مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ جتنے مرادفات استعمال کئے جاسکتے ہیں ان کی تعداد سات ہے اور اس اجازت کا مفہوم بھی یہ نہ تھا کہ ہر شخص اپنی مرضی سے جو الفاظ چاہے استعمال کر لے، بلکہ متبادل الفاظ کی تعیین بھی خود آنحضرت ﷺ نے فرمادی تھی اور ہر شخص کو آپ نے اس طرح قرآن سکھایا تھا جو اس کے لیے آسان ہو، لہذا صرف ان مرادفات کی اجازت دی گئی تھی جو حضور ﷺ سے ثابت تھے۔ [فتح الباری: ۲۳، ۲۴۹]

امام طحاویؒ کے علاوہ حضرت سفیان بن عیینہؒ، ابن وہبؒ اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے بلکہ حافظ ابن عبدالبرؒ نے تو اس قول کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔

[شرح الموطأ للزرقانی: ۱۱۲]



یہ قول پچھلے تمام اقوال کے مقابلہ میں زیادہ قرین قیاس ہے، اور اس کے قائلین اپنی دلیل میں مسند احمدؒ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أن جبريل قال يا محمد اقرأ القرآن على حرف، قال ميكائيل استزده حتى بلغ سبعة أحرف، قال كل شاف كافي ما لم تخلط آية عذاب برحمة أو رحمة بعذاب، نحو قولك تعال وأقبل وهلم واذهب واسرع وعجل [هذا اللفظ رواية احمد وإسناده جيد، أوجز المسالك: ۳۵۷/۲]

”جبریل علیہ السلام نے (حضور ﷺ سے) کہا کہ اے محمد! قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیے، میکائیل علیہ السلام نے (حضور ﷺ سے) کہا اس میں اضافہ کروائیے۔ یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا، حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا، ان میں سے ہر ایک شافی کافی ہے۔ تاہم تنبیہ آپ عذاب کی آیت کو رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ کریں، یہ ایسا ہی ہوتا جیسے آپ تعالٰیٰ (آؤ) کے معنی کو أقبل، هلم، اذهب، أسرع اور عجل کے الفاظ سے ادا کریں۔“

اس قول پر اور تو کوئی اشکال نہیں ہے، لیکن ایک الجھن اس میں بھی باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم کی جو مختلف قراءتیں آج تک متواتر چلی آرہی ہیں، اس قول کے مطابق ان کی حیثیت واضح نہیں ہوتی، اگر ان قراءتوں کو 'سات حروف' سے الگ کوئی چیز قرار دیا جائے تو اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، احادیث کے وسیع ذخیرے میں 'احرف' کے اختلاف کے علاوہ قرآن کریم کے کسی اور لفظی اختلاف میں 'احرف سبعہ' کے علاوہ ایک اور قسم کا اختلاف

بھی تھا، اس الجھن کا کوئی اطمینان بخش حل اس قول کے قائلین کے یہاں مجھے نہیں مل سکا۔

سبعہ احرف کی رائج ترین تشریح

ہمارے نزدیک قرآن کریم کے 'سات حروف' کی سب سے بہتر تشریح اور تعبیر یہ ہے کہ حدیث میں 'حروف' کے اختلاف سے مراد 'قراءتوں کا اختلاف' ہے اور سات حروف سے مراد 'اختلاف قراءات' کی سات نوعیتیں ہیں، چنانچہ قراءتیں تو اگرچہ سات سے زائد ہیں، لیکن ان قراءتوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ سات اقسام پر منحصر ہیں، (ان سات اقسام کی تشریح آگے آرہی ہے)

ہمارے علم کے مطابق یہ قول متقدمین میں سے سب سے پہلے امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں ملتا ہے مشہور مفسر قرآن علامہ نظام الدین قمی عیثا پوری رحمہ اللہ اپنی تفسیر غرائب القرآن میں لکھتے ہیں کہ احرف سبعہ کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ مذہب منقول ہے کہ اس سے مراد قراءات میں مندرجہ ذیل سات قسم کے اختلافات ہیں:

- ① مفرد اور جمع کا اختلاف، کہ ایک قراءت میں لفظ مفرد آیا ہو اور دوسری میں صیغہ جمع، مثلاً و تمت کلمۃ ربک، اور کلمات ربک،
- ② تذکیر و تانیث کا اختلاف، کہ ایک میں لفظ مذکر استعمال ہوا اور دوسری میں مونث جیسے لایقبل اور لا تقبل۔
- ③ وجوہ اعراب کا اختلاف، کہ زیر و غیرہ بدل جائیں، مثلاً هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ اور غَيْرِ اللَّهِ
- ④ صرفی بیت کا اختلاف، جیسے يَعْرِشُونَ اور يَعْرِشُونَ
- ⑤ ادوات (حروف نحویہ) کا اختلاف، جیسے لَکِنَّ الشَّيَاطِينَ اور لَکِنِ الشَّيَاطِينَ
- ⑥ لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں، جیسے تعلمون اور يعلمون اور ننشزها اور ننشرها
- ⑦ لہجوں کا اختلاف، جیسے تخفیف، فیم، مالہ، مد، قصر، اظہار اور ادغام وغیرہ۔

[غرائب القرآن و رغائب الفرقان، هامش ابن جریر: ۲۱/۱]

پھر یہی قول علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ، امام ابوالفضل رازی رحمہ اللہ، قاضی ابوبکر بن الطیب باقلانی رحمہ اللہ اور محقق ابن الجزری رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا ہے۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ، ابوالفضل رازی رحمہ اللہ اور ابن الجزری رحمہ اللہ کے اقوال، [فتح الباری: ۲۵۹، ۲۶۰] اور [الاتقان: ۴۷۱] میں موجود ہیں اور قاضی ابن الطیب رحمہ اللہ کا قول [تفسیر القرطبی: ۳۵۱] میں دیکھا جاسکتا ہے۔

محقق ابن الجزری رحمہ اللہ جو قراءات کے مشہور امام ہیں اپنا یہ قول بیان کرنے سے قبل تحریر فرماتے ہیں:

”میں اس حدیث کے بارے میں اشکالات میں مبتلا رہا اور اس پر تیس سال سے زیادہ غور و فکر کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی ایسی تشریح کھول دی جو ان شاء اللہ صحیح ہوگی۔“ [النشر فی القراءات العشر: ۲۶۱]

یہ سب حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث میں 'سات حروف' سے مراد اختلاف قراءات کی سات نوعیتیں ہیں، لیکن پھر ان نوعیتوں کی تعیین میں ان حضرات کے اقوال میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک نے قراءات کا استقراء اپنے طور پر الگ الگ کیا ہے، ان میں جن صاحب کا استقراء سب سے زیادہ مضبوط، مستحکم اور جامع و مانع ہے، وہ امام ابوالفضل رازی رحمہ اللہ ہیں، فرماتے ہیں: کہ قراءات کا اختلاف سات اقسام میں منحصر ہے۔

- ① **اسماء کا اختلاف**، جس میں افراد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے، (اس کی مثال وہی تمت کلمۃ ربک ہے، جو ایک قراءت میں تمت کلمات ربک بھی پڑھا گیا ہے)
 - ② **افعال کا اختلاف**، کہ کسی قراءت میں صیغہ ماضی ہو، کسی میں مضارع اور کسی میں امر (اس کی مثال ربنا باعد بین أسفارنا ہے کہ ایک قراءت میں اس کی جگہ ربنا بعد بین أسفارنا بھی آیا ہے)
 - ③ **وجہ اعراب کا اختلاف**، جس میں اعراب یا حرکات مختلف قراءتوں میں مختلف ہوں (اس کی مثال وَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ اور لَا يُضَارُّ كَاتِبٌ اور ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ اور ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ)
 - ④ **الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف**، کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو (مثلاً ایک قراءت میں وما خلق الذکر والانیة ہے اور دوسری میں والذکر والانیة ہے اور اس میں وما خلق کا لفظ نہیں ہے، اسی طرح ایک قراءت میں تجری من تحتها الانهر اور دوسری میں تجری تحتها الانهر)
 - ⑤ **تقدیم و تاخیر کا اختلاف** کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ مقدم اور دوسری میں مؤخر ہے۔ (مثلاً وجاءت سكرة الموت بالحق اور جاءت سكرة الموت)
 - ⑥ **بدلیت کا اختلاف**، کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قراءت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ (مثلاً ننشزها اور ننشرها، نیز فتنبوا، فتنبوا اور طلع اور طلعت)
 - ⑦ **لجوں کا اختلاف**، جس میں تمیم، تریق، امالہ، قصر، مد، ہمر، اظہار اور ادغام وغیرہ کے اختلاف شامل ہیں۔ [فتح الباری: ۳۲۷:۹] (مثلاً مویٰ ایک قراءت امالہ کے ساتھ ہے، اور دوسری میں بغیر امالہ کے ہے)
- علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ، علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ اور قاضی ابوطیب رحمہ اللہ کی بیان کردہ وجہ اختلاف بھی اس سے ملتی جلتی ہیں، البتہ امام ابوالفضل رازی رحمہ اللہ کا استقراء اس لیے زیادہ جامع معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا اختلاف چھوٹا نہیں ہے، اس کے برخلاف باقی تین حضرات کی بیان کردہ وجہ میں آخری قسم یعنی لجوں کے اختلاف کا بیان نہیں ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کی بیان کردہ وجہ میں لجوں کا اختلاف تو بیان کیا گیا ہے، لیکن الفاظ کی کمی بیشی، تقدیم و تاخیر اور بدلیت کے اختلافات کی پوری وضاحت نہیں ہے، اس کے برخلاف امام ابوالفضل رازی رحمہ اللہ کے استقراء میں یہ تمام اختلافات وضاحت کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں، محقق ابن الجزری رحمہ اللہ جنہوں نے تیس سال سے زائد غور و فکر کرنے کے بعد سات احرف کو سات وجہ اختلاف پر محمول کیا ہے۔ انہوں نے بھی امام ابوالفضل رحمہ اللہ کا قول بڑی وقعت کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اُن کے مجموعی کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انہیں امام ابوالفضل رحمہ اللہ کا استقراء خود اپنے استقراء سے بھی زیادہ پسند آیا ہے۔ [النشر فی القراءات العشر: ۲۸، ۲۷:۱]
- اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام سے بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے ان تینوں اقوال میں امام ابوالفضل رازی رحمہ اللہ کے استقراء کو ترجیح دی ہے، کیونکہ انہوں نے علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ هذا وجه حسن (یہ اچھی توجیہ ہے) پھر امام ابوالفضل کی بیان کردہ سات وجہ بیان کر کے تحریر فرمایا ہے:

”قلت وقد أخذ كلام ابن قتيبة ونقحه“ [فتح الباری: ۳۲۷:۹]

”میرا خیال ہے کہ امام ابوالفضل رازی نے ابن قتیبہ کا قول اختیار کر کے اُسے اور نکھار دیا ہے۔“

آخری دور میں شیخ عبدالعظیم الزرقانی رحمہ اللہ نے بھی انہی کے قول کو اختیار کر کے اس کی تائید میں متعلقہ دلائل پیش

کئے ہیں۔ [مناہل العرفان فی علوم القرآن: ۱۵۴ تا ۱۵۶]

بہر کیف! استقراء کی وجہ میں تو اختلاف ہے، لیکن اس بات پر امام مالک علامہ ابن قتیبہ، امام ابو الفضل رازی، محقق ابن الجری اور قاضی باقلانی رحمہ اللہ پانچوں حضرات متفق ہیں کہ حدیث میں سات حروف سے مراد قراءت کے وہ اختلاف ہیں جو سات نو عیتوں میں منحصر ہیں۔

احقر کی ناچیز رائے میں ’سبعہ احرف‘ کی یہ تشریح سب سے زیادہ بہتر ہے۔ حدیث کا منشاء یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کو مختلف طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے اور یہ مختلف طریقے اپنے نو عیتوں کے لحاظ سے سات ہیں، ان سات نو عیتوں کی کوئی تعین چونکہ کسی حدیث میں موجود نہیں ہے اس لیے یقین کے ساتھ تو کسی کے استقراء کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ حدیث میں وہی مراد ہے لیکن بظاہر امام ابو الفضل رازی کا استقراء زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ موجودہ قراءات کی تمام انواع کو جامع ہے۔

اس قول کی وجہ ترجیح

’سبعہ احرف‘ کی تشریح میں جتنے اقوال حدیث، تفسیر اور علوم قرآن کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں ہمارے نزدیک ان سب میں یہ قول (کہ سات حروف سے مراد اختلاف قراءت کی سات نو عیتیں ہیں) سب سے زیادہ راجح، قابل اعتماد اور اطمینان بخش ہے اور اس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں:

① اس قول کے مطابق ’حروف‘ اور ’قراءات‘ کو دو الگ الگ چیزیں قرار دینا نہیں پڑتا۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ اور امام طحاوی رحمہ اللہ کے اقوال میں ایک مشترک الجھن یہ ہے کہ ان میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلافات تھے، ایک حروف کا اختلاف اور دوسرا قراءات کا اختلاف۔ حروف کا اختلاف اب ختم ہو گیا اور قراءات کا اختلاف باقی ہے، حالانکہ احادیث کے اتنے بڑے ذخیرے میں کوئی ایک ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ حروف اور قراءات دو الگ الگ چیزیں ہیں، احادیث میں صرف حروف کے اختلاف کا ذکر ملتا ہے اور اسی کے لیے کثرت سے ’قراءات‘ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اگر ’قراءات‘ ان ’حروف‘ سے الگ ہوتیں تو کسی نہ کسی حدیث میں ان کی طرف کوئی اشارہ تو ہونا چاہئے تھا، آخر کیا وجہ ہے کہ ’حروف‘ کے اختلاف کی احادیث تو تقریباً تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں، اور ’قراءات‘ کے جداگانہ اختلاف کا ذکر کسی حدیث میں بھی نہیں ہے؟ محض اپنی قیاس سے یہ کہہ دینا کیونکر ممکن ہے کہ اختلاف حروف کے علاوہ قرآن کریم کے الفاظ میں ایک دوسری قسم کا اختلاف بھی تھا؟

مذکورہ بالا قول میں یہ الجھن بالکل رفع ہو جاتی ہے، اس لیے کہ اس میں ’حروف‘ اور ’قراءات‘ کو ایک ہی چیز قرار دیا گیا ہے۔

② علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کے قول پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ سات حروف میں سے چھ حروف منسوخ یا متروک ہو گئے اور صرف ایک حرف قریش باقی رہ گیا۔ (موجودہ قراءات اسی حرف قریش کی ادائیگی کے اختلافات ہیں) اور اس نظریہ کی قیاسیت ہم آگے تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے، مذکورہ بالا آخری قول میں یہ قیاسیت نہیں ہے، کیونکہ اس کے مطابق ساتوں حروف آج بھی باقی اور محفوظ ہیں۔

۳ اس قول کے مطابق 'سات حروف' کے معنی بلا تکلف صحیح ہو جاتے ہیں جبکہ دوسرے اقوال میں یا 'حروف' کے معنی میں تاویل کرنی پڑتی ہے یا 'سات' کے عدد میں۔

۴ 'سبعہ احرف' کے باب میں جتنے علماء کے اقوال ہماری نظر سے گزرے ہیں، اُن میں سب سے زیادہ جلیل القدر اور عہد رسالتؐ سے قریب تر ہستی امام مالک رحمہ اللہ کی ہے اور وہ علامہ منشی پوری رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق اسی قول کے قائل ہیں۔

۵ علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ اور محقق ابن الجوزی رحمہ اللہ دونوں علم قراءت کے مسلم الثبوت امام ہیں، اور دونوں اسی قول کے قائل ہیں اور مؤخر الذکر کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے تیس سال سے زائد اس حدیث پر غور کرنے کے بعد اس قول کو اختیار کیا ہے۔

اس قول پر وارد ہونے والے اعتراضات اور اُن کا جواب

اب ایک نظر اُن اعتراضات پر بھی ڈال لیجئے جو اس قول پر وارد ہو سکتے ہیں یا وارد کئے گئے ہیں:

۱ اس پر ایک اعتراض تو یہ کیا گیا ہے کہ اس قول میں جتنی وجوہ اختلاف بیان کی گئی ہیں وہ زیادہ تر صرف نامی اور نحوی تقسیمات پر مبنی ہیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے جس وقت یہ حدیث ارشاد فرمائی اس وقت صرف دُجو کی یہ فنی اصطلاحات اور تقسیمات رائج نہیں ہوئی تھیں، اُس وقت اکثر لوگ لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، ایسی صورت میں ان وجوہ اختلاف کو 'سبعہ احرف' قرار دینا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے یہ اعتراض نقل کر کے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ:

”ولا يلزم من ذلك توهم ما ذهب إليه ابن قتيبة لاحتمال أن يكون الانحصار المذكور في ذلك وقع اتفاقاً وإنما اطلع عليه بالاستقراء وفي ذلك من الحكمة البالغة ما لا يخفى“ [فتح الباری: ۲۴/۹]

”اس سے ابن قتیبہؒ کے قول کی کمزوری لازم نہیں آتی، اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ مذکورہ انحصار اتفاقاً ہو گیا ہو اور اس کی اطلاع استقراء کے ذریعہ ہو گئی ہو اور اس میں جو حکمت بالغہ ہے وہ پوشیدہ نہیں۔“

ہماری ناچیز فہم کے مطابق اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ درست ہے عہد رسالتؐ میں یہ اصطلاحات رائج نہ تھیں اور شاید یہی وجہ ہو کہ آنحضرت ﷺ نے ”سبعہ احرف“ کی تشریح اس دور میں نہیں فرمائی۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ فنی اصطلاحات جن مفہیم سے عبارت ہیں وہ مفہیم تو اس دور میں بھی موجود تھے۔ اگر آنحضرت ﷺ نے ان مفہیم کے لحاظ سے وجوہ اختلاف کو سات میں منصر قرار دے دیا ہو تو اس میں کیا تعجب ہے؟ ہاں اُس دور میں اگر سات وجوہ اختلاف کی تفصیل بیان کی جاتی، تو شاید عامۃ الناس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی۔ اس لیے آپؐ نے اس کی تفصیل بیان فرمانے کے بجائے صرف اتنا واضح فرما دیا کہ یہ وجوہ اختلاف کل سات میں منصر ہیں بعد میں جب یہ اصطلاحات رائج ہو گئیں تو علماء نے استقراء تام کے ذریعہ ان وجوہ اختلاف کو اصطلاحی الفاظ سے تعبیر کر دیا، یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ کسی خاص شخص کے استقراء کے بارے میں یقین کامل سے یہ کہنا مشکل ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی مراد یہی تھی، لیکن جب مختلف لوگوں کا استقراء یہ ثابت کر رہا ہے کہ وجوہ اختلاف کل سات ہیں تو اس بات کا قریب قریب یقین ہو جاتا ہے کہ ”سبعہ احرف“ سے آپؐ کی مراد سات وجوہ اختلاف تھیں، خواہ ان کی تفصیل بعینہ وہ نہ جو

بعد میں استقرء کے ذریعے معین کی گئی ہے بالخصوص جبکہ سببہ اُحرف کی تشریح میں کوئی اور صورت معقولیت کے ساتھ ہفتی ہی نہیں ہے۔

سات حروف کے ذریعہ کیا آسانی پیدا ہوئی؟

اس قول پر دوسرا اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کو سات حروف پر اس لیے نازل کیا گیا، تاکہ امت کے لیے تلاوت قرآن میں آسانی پیدا کی جائے۔ یہ آسانی علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کے قول پر تو سمجھ میں آتی ہے کیونکہ عرب میں مختلف قبائل کے لوگ تھے اور ایک قبیلے کے لیے دوسرے قبیلے کی لغت پر قرآن پڑھنا مشکل تھا لیکن امام مالک رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ اور ابن الجوزی رحمہ اللہ وغیرہ کے اس قول پر تو ساتوں حروف ایک لغت قریش ہی سے متعلق ہیں۔ اس میں یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ جب قرآن کریم ایک ہی لغت پر نازل کرنا تھا تو اس میں قراءات کا اختلاف باقی رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس اعتراض کی بنیاد اس بات پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تلاوت قرآن میں سات حروف کی جو سہولت اُمت کے لیے مانگی تھی اس میں قبائل عرب کا اختلاف لغت آپ کے پیش نظر تھا۔ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی بناء پر 'سات حروف' کو 'سات لغات عرب' کے معنی پہنائے ہیں، حالانکہ یہ وہ بات ہے جس کی تائید کسی حدیث سے نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس ایک حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے صراحت و وضاحت کے ساتھ یہ بیان فرمادیا ہے کہ سات حروف کی آسانی طلب کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پیش نظر کیا بات تھی؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

”لَقِيَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جَبْرِيلَ عِنْدَ أَحْجَارِ الْمَوَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَجَبْرِيلَ: إِنِّي بُعِثْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيئِينَ فِيهِمُ الشَّيْخُ الْفَانِي وَالْعَجُوزُ الْكَبِيرُ وَالْغَلَامُ، قَالَ فَمَرَّهْمُ فليَقْرَءُوا الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ“ [النشر في القراءات العشر: ۲۰/۱]

”رسول اللہ ﷺ کی حضرت جبریل علیہ السلام سے مراد کے پتھروں کے قریب ملاقات ہوئی، آپ نے حضرت جبریل سے فرمایا: میں ایک اُن پڑھ اُمت کی طرف بھیجا گیا ہوں جس میں اب گور بوڑھے بھی ہیں، سن رسیدہ بوڑھیاں بھی اور بچے بھی، حضرت جبریل نے فرمایا کہ اُن کو حکم دیجئے کہ وہ قرآن کو سات حروف پر پڑھیں۔“

ترمذی ہی کی دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے حضرت جبریل سے فرمایا:

»إِنِّي بُعِثْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيئِينَ مِنْهُمْ الْعَجُوزُ وَالشَّيْخُ وَالْكَبِيرُ وَالْغَلَامُ وَالْجَارِيَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِي لَمْ يَقْرَأْ كِتَابًا قَطُّ“ [سنن الترمذی: ۲۹۳۳]

”مجھے ایک اُن پڑھ اُمت کی طرف بھیجا گیا ہے جن میں بوڑھیاں بھی ہیں، بوڑھے بھی، سن رسیدہ بھی، لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور ایسے لوگ بھی جنہوں نے بھی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔“

اس حدیث کے الفاظ صراحت اور وضاحت کے ساتھ بتا رہے ہیں کہ اُمت کے لیے سات حروف کی آسانی طلب کرنے میں آنحضرت ﷺ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ آپ ایک اُمی اور اُن پڑھ قوم کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ جس میں ہر طرح کے افراد ہیں۔ اگر قرآن کریم کی تلاوت کے لیے صرف ایک ہی طریقہ متعین کر دیا گیا تو اُمت مشکل میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس کے برعکس اگر کئی طریقے رکھے گئے تو یہ ممکن ہو گا کہ کوئی شخص ایک طریقے سے

تلاوت پر قادر نہیں ہے تو وہ دوسرے طریقہ سے انہی الفاظ کو ادا کر دے۔ اس طرح اس کی نماز اور تلاوت کی عبادت درست ہو جائیں گی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بوڑھوں، بوڑھیوں یا اُن پڑھ لوگوں کی زبان پر ایک لفظ ایک طریقہ سے چڑھ جاتا ہے اور اس کے لیے زیر زبر کا معمولی فرق بھی دشوار ہوتا ہے، اس لیے آپ نے یہ آسانی طلب فرمائی کہ مثلاً کوئی شخص معروف کا صیغہ ادا نہیں کر سکتا تو اس کی جگہ دوسری قراءت کے مطابق مجہول کا صیغہ ادا کر لے یا کسی کی زبان پر صیغہ مفرد نہیں چڑھتا تو وہ اسی آیت کو صیغہ جمع سے پڑھ لے، کسی کے لیے لہجہ کا ایک طریقہ مشکل ہے تو دوسرا اختیار کر لے اور اس طرح اس کو پورے قرآن میں سات قسم کی آسانیاں مل جائیں گی۔

آپ نے مذکورہ بالا حدیث میں ملاحظہ فرمایا کہ اس میں آنحضرت ﷺ نے سات حروف کی آسانی طلب کرتے وقت یہ نہیں فرمایا کہ میں جس اُمت کی طرف بھیجا گیا ہو وہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتی ہے اور اُن میں سے ہر ایک کی لغت جدا ہے، اس لیے قرآن کریم کو مختلف لغات پر پڑھنے کی اجازت دی جائے اس کے برخلاف آپ نے قبائلی اختلافات سے قطع نظر ان کی عمروں کا تفاوت اور اُن کے اُمی ہونے کی صفت پر زور دیا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سات حروف کی آسانی دینے میں بنیادی عامل قبائل کا لغوی اختلاف نہ تھا بلکہ اُمت کی ناخواندگی کے پیش نظر تلاوت میں ایک عام قسم کی سہولت دینا پیش نظر تھا، جس سے اُمت کے تمام افراد فائدہ اٹھاسکیں۔

❧ اس قول پر تیسرا اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ اختلاف قراءت کی جو سات نوعیتیں بیان کی گئی ہیں وہ خواہ مالک یا ابوالفضل رازی کی بیان کی ہوئی ہوں یا علامہ ابن قتیبہ، محقق ابن الجزری اور قاضی ابن الطیب کی، بہر حال ایک قیاس اور تخمینہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے ان حضرات میں سے ہر ایک نے ان سات وجوہ اختلاف کی تفصیل الگ الگ بیان کی ہے، اُن کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ کیونکر باور کر لیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی مراد یہی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ’سبعہ احرف‘ کی کوئی واضح تشریح کسی حدیث یا کسی صحابی کے قول میں نہیں ملتی۔ اس لیے اس باب میں جتنے اقوال ہیں اُن سب میں روایات کو مجموعی طور پر جمع کر کے کوئی نتیجہ نکالا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ قول زیادہ قرین صحت معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس پر کوئی بنیادی اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ روایات کو مجموعی طور پر دیکھنے کے بعد ہمیں اس بات کا تو قریب قریب یقین ہو جاتا ہے کہ حدیث میں سات حروف سے مراد اختلاف قراءت کی سات نوعیتیں ہیں۔ ربی ان نوعیتوں کی تعین و تشخیص، سو اس کے بارے میں ہم پہلے بھی یہ عرض کر چکے ہیں کہ اسے معلوم کرنے کا ذریعہ استقراء کے سوا کوئی اور نہیں، امام ابوالفضل رازی کا استقراء ہمیں جامع و مانع ضرور معلوم ہوتا ہے، مگر یقین کے ساتھ ہم کسی کے استقراء کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضور ﷺ کی مراد یہی تھی، لیکن اس سے یہ اصولی حقیقت مجروح نہیں ہوتی کہ ’سبعہ احرف‘ سے آنحضرت ﷺ کی مراد اختلاف قراءت کی سات نوعیتیں تھیں، جن کی تفصیل کا یقینی علم حاصل کرنے کا نہ ہمارے پاس کوئی راستہ ہے اور نہ اُس کی چنداں ضرورت ہے۔

❧ اس قول پر چوتھا اعتراض یہ ممکن ہے کہ اس قول میں ’حروف سبعہ‘ سے الفاظ اور ان کی ادائیگی کے طریقوں کا اختلاف مراد لیا گیا ہے، معانی سے اس میں بحث نہیں ہے، حالانکہ ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد سات قسم کے معانی ہیں۔ امام طحاوی حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

”كان الكتاب الاول ينزل من باب واحد على حرف واحد و نزل القرآن من سبعة أبواب على سبعة أحرف زاجر وامرو حلال و حرام و محكم و متشابه و أمثال..... الخ“

”پہلے کتاب ایک باب سے ایک حرف پر نازل ہوتی تھی اور قرآن کریم سات ابواب سے سات حروف پر نازل ہوا (وہ سات حروف یہ ہیں) زاجر (کسی بات سے روکنے والا) آمر (کسی چیز کا حکم دینے والا) حلال و حرام، محکم (جس کے معنی معلوم ہیں) متشابہ (جس کے یقین معنی معلوم نہیں) اور امثال“ اسی بناء پر بعض علماء سے منقول ہے کہ انہوں نے سات حروف کی تفسیر سات قسم کے معانی سے کی ہے:

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ اس کی سند پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسے ابوسلمہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، حالانکہ ابوسلمہ کی ملاقات حضرت عبداللہ بن مسعود سے نہیں ہوئی۔ [مشکل الآثار: ۴/۱۸۵]

اس کے علاوہ قدیم زمانہ کے جن بزرگوں سے اس قسم کے اقوال منقول ہیں، ان کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ ان کا مقصد ’سبعہ احرف‘ والی حدیث کی تشریح کرنا نہیں تھا، بلکہ ’سبعہ احرف‘ کے زیر بحث مسئلہ سے بالکل الگ ہو کر یہ کہنا چاہتے تھے کہ قرآن کریم اس قسم کے مضامین پر مشتمل ہے۔ [تفسیر ابن جریر: ۱۵/۱] رہے وہ لوگ جنہوں نے ’سبعہ احرف‘ والی حدیث کی تشریح ہی میں اس قسم کی باتیں کہی ہیں، اُن کا قول بالکل بدیہی ابطلان ہے۔ اس لیے کہ پیچھے جتنی احادیث نقل کی گئی ہیں، اُن کو سرسری نظر ہی سے دیکھ کر ایک معمولی عقل کا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حروف کے اختلاف سے مراد معانی اور مضامین کا نہیں، بلکہ الفاظ کا اختلاف ہے چنانچہ محقق علماء میں سے کسی ایک نے بھی اس قول کا اختیار نہیں کیا، بلکہ اس کی تردید کی ہے۔ [تفصیل تردید کے لیے ملاحظہ ہو، الاتقان: ۴۹/۱، نوع ۶۱، اور النشر فی القراءات العشر لابن الجزری: ۲۵/۱]

حروف سبعہ اب بھی محفوظ ہیں یا متروک ہو گئے

’سات حروف‘ کے معنی متعین ہو جانے کے بعد اہم بحث یہ ہے کہ یہ ساتوں حروف آج بھی باقی ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں متقدمین سے تین قول منقول ہیں:

① پہلا قول حافظ ابن جریر طبری اور ان کے تابعین کا ہے، پیچھے ہم عرض کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک ’احرف سبعہ‘ سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں۔ اسی بناء پر وہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رحمہ اللہ کے زمانہ تک قرآن کریم ان ساتوں حروف پر پڑھا جاتا تھا، لیکن حضرت عثمان رحمہ اللہ کے زمانے میں جب اسلام دور دراز ممالک تک پھیلا تو ان حروف سبعہ کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے لوگوں میں جھگڑے ہونے لگے، مختلف لوگ مختلف حروف پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور ایک دوسرے کی تلاوت کو غلط ٹھہراتے تھے۔ اس فتنہ کے اسناد کے لیے حضرت عثمان رحمہ اللہ نے صحابہ کرام کے مشورے سے پوری اُمت کو صرف ایک حرف یعنی لغت قریش پر جمع کر دیا اور اسی کے مطابق سات مصاحف مرتب فرما کر مختلف صوبوں میں بھیج دیے اور باقی تمام مصاحف کو نذر آتش کر دیا تاکہ کوئی اختلاف پیدا نہ ہو سکے۔ لہذا اب صرف لغت قریش کا حرف باقی رہ گیا ہے اور باقی چھ حروف محفوظ نہیں رہے اور قراء توں کا جو اختلاف آج تک باقی چلا آتا ہے وہ اسی ایک حرف قریش کی ادائیگی کے مختلف طریقے ہیں۔ [تفسیر ابن جریر: ۱۵/۱]

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کا نظریہ اور اُس کی قیاسیت

حافظ ابن جریر طبری نے چونکہ اپنا یہ نظریہ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں بڑی تفصیل اور جزم و وثوق کے ساتھ بیان فرمایا

ہے۔ اس لیے یہ قول بہت مشہور ہو گیا اور آج کل حروف سبعہ کی تشریح عموماً اسی کے مطابق کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیشتر محقق علماء [ان علماء کے اسماء گرامی آگے آرہے ہیں] نے اسے اختیار نہیں کیا بلکہ اس کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے۔ کیونکہ اس قول پر متعدد الجھنیں ایسی کھڑی ہو جاتی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے۔

اس نظریہ پر سب سے پہلا اعتراض تو وہی ہوتا ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس میں حروف اور قراءات کو دو الگ الگ چیزیں قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حافظ ابن جریر طبریؒ ایک طرف تو یہ تسلیم فرماتے ہیں کہ ساتوں حروف منزل من اللہ تھے۔ دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے چھ حروف کی تلاوت کو ختم فرما دیا حالانکہ اس بات کو باور کرنا بہت مشکل ہے کہ صحابہ کرامؓ ان حروف کو یکسر ختم کرنے پر متفق ہو گئے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی فرمائش پر امت کی آسانی کے لیے نازل فرمائے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا اجماع بیشک دین میں حجت ہے، لیکن صحابہ کرامؓ سے یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ جس چیز کا قرآن ہونا تو اتر کے ساتھ ثابت ہو، اُسے وہ صفحہ ہستی سے منادینے پر متفق ہو جائیں۔

حافظ ابن جریرؒ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دراصل امت کو قرآن کریم کی حفاظت کا حکم ہوا تھا اور اسے ساتھ ہی یہ اختیار بھی دے دیا تھا کہ وہ سات حروف میں سے جس حرف کو چاہے اختیار کر لے، چنانچہ امت نے اس اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک اجتماعی مصلحت کی خاطر چھ حروف کی تلاوت چھوڑ دی اور ایک حرف کی حفاظت پر متفق ہو گئی۔ اس اقدام کا منشاء نہ ان حروف کو منسوخ قرار دینا تھا اور نہ ان کی تلاوت کو حرام قرار دینا تھا، بلکہ اپنے لیے اجتماعی طور پر ایک حرف کا انتخاب تھا۔

لیکن یہ جواب بھی اس لیے کمزور معلوم ہوتا ہے کہ اگر صورت یہی تھی تو کیا یہ مناسب نہ تھا کہ امت اپنے عمل کے لیے خواہ ایک حرف کو اختیار کر لیتی، باقی چھ حروف کا وجود دوسرے سے ختم کرنے کے بجائے اُسے کم از کم کسی ایک جگہ محفوظ رکھتی، تاکہ ان کا وجود ختم نہ ہو، قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: 9]

”بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

جب ساتوں حروف قرآن تھے تو اس آیت کا صاف تقاضا یہ ہے کہ وہ ساتوں حروف قیامت تک محفوظ رہیں گے اور کوئی شخص ان کی تلاوت چھوڑنا بھی چاہے تو وہ ختم نہیں ہو سکیں گے، حافظ ابن جریر طبریؒ نے اس کی نظیر میں یہ مسئلہ پیش کیا ہے کہ قرآن کریم نے جھوٹی قسم کھانے کے کفارے میں انسانوں کو تین باتوں کا اختیار دیا ہے، یا تو وہ ایک غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کو کپڑے دے، اب اگر امت باقی صورتوں کو ناجائز قرار دینے بغیر اپنے عمل کے لیے ان میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر لے تو یہ اُس کے لیے جائز ہے، اسی طرح قرآن کے سات حروف میں سے امت نے ایک حرف کو اجتماعی طور پر اختیار کر لیا، لیکن یہ مثال اس لیے درست نہیں کہ اگر امت کفارہ بھین کی تین صورتوں میں سے ایک صورت اس طرح اختیار کر لے کہ باقی صورتوں کو ناجائز تو نہ کہے لیکن عملاً ان کا وجود بالکل ختم ہو کر رہ جائے اور لوگوں کو صرف اتنا معلوم رہ جائے کہ کفارہ بھین کی دو صورتیں اور تھیں جن پر امت نے عمل ترک کر دیا، لیکن وہ صورتیں کیا تھیں؟ ان کا جاننے والا بھی کوئی باقی نہ رہے تو یقیناً امت کے لیے

ایسے اقدام کی گنجائش نہیں ہے۔

پھر سوال یہ ہے کہ باقی چھ حروف کو ترک کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟ حافظ ابن جریرؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں ان حروف کے اختلاف کی وجہ سے شدید جھگڑے ہو رہے تھے۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کے مشورہ سے یہ مناسب سمجھا کہ ان سب کو ایک حرف پر متحد کر دیا جائے، لیکن یہ بھی ایسی بات ہے جسے باور کرنا بہت مشکل ہے۔ حروف کے اختلاف کی بناء پر مسلمانوں کا اختلاف تو خود سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانے میں بھی پیش آیا تھا، احادیث میں ایسے متعدد واقعات مروی ہیں کہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کو مختلف طریقے سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے سنا تو باہمی اختلاف کی نوبت آ گئی، یہاں تک کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو حضرت ہشام بن حلیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے گلے میں چادر ڈال کر انہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے تھے اور حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حروف کا یہ اختلاف سن کر میرے دل میں زبردست شکوک پیدا ہونے لگے تھے، لیکن اس قسم کے واقعات کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے حروفِ سبعہ کو ختم کرنے کے بجائے انہیں حروف کی رخصت سے آگاہ فرمایا، اور اس طرح کوئی فتنہ پیدا نہیں ہو سکا۔ صحابہ کرامؓ سے یہ بعید ہے کہ انہوں نے اس اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کے بجائے چھ حروف ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔

پھر عجیب بات ہے کہ علامہ ابن جریرؒ کے قول کے مطابق صحابہؓ نے چھ حروف تو اختلاف کے ڈر سے ختم فرما دیئے اور قراءتیں (جو ان کے قول میں حروف سے الگ ہیں) جوں کی توں باقی رکھیں، چنانچہ وہ آج تک محفوظ چلی آتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ افتراق و اختلاف کا جو اندیشہ مختلف حروف پر قرآن کی تلاوت جاری رکھنے میں تھا کیا وہی اندیشہ قراءات کے اختلاف میں نہیں تھا؟ جبکہ ان قراءتوں کی روشنی میں بعض مرتبہ ایک ایک لفظ میں بیس مختلف طریقوں سے پڑھا جاتا ہے؟ اگر چھ حروف ختم کرنے کا منشاء یہی تھا کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو اور وہ سب ایک طریقہ سے قرآن کی تلاوت کیا کریں تو قراءتوں کے اختلاف کو آخر کیوں ختم نہیں کیا گیا؟ جب قراءات کے اختلاف کو باوجود مسلمانوں کے انتشار و کور کو کا چا سکتا تھا اور مسلمانوں کو یہ سمجھایا جاسکتا تھا کہ ان تمام طریقوں سے تلاوت جائز ہے تو یہی تعلیم حروفِ سبعہ کے باب میں فتنہ کا سبب کیوں سمجھ لی گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ حافظ ابن جریرؒ کے قول پر 'حروفِ سبعہ' اور 'قراءات' کے بارے میں صحابہ کرامؓ کی طرف ایسی حیرت انگیز دو عملی منسوب کرنی پڑتی ہے جس کی کوئی معقول توجیہ سمجھ میں نہیں آتی

پھر حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرف اتنے بڑے اقدام کی نسبت کسی صریح اور صحیح روایت کی بناء پر نہیں بلکہ بعض مجمل الفاظ کی قیاسی تشریح کے ذریعہ کی گئی ہے جن روایات میں حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن کا واقعہ بیان ہوا ہے اس میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ انہوں نے چھ حروف کو ختم فرمایا تھا بلکہ اس کے خلاف دلیلیں موجود ہیں جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اب کسی صحیح اور صریح روایت کے بغیر یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ان چھ حروف کو بالکل بے نشان کر دینا گوارا کر لیا جو آنحضرت ﷺ کی بار بار فرمائش پر بذریعہ وحی نازل ہوئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن صحابہ کرامؓ کی جمع و ترتیب قرآن کے نیک کام میں محض اس لیے تامل رہا ہو کہ یہ کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا، جنہوں نے قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کو محفوظ رکھنے میں اپنی عمریں کھپائی ہوں اور جنہوں نے منسوخ التلاوة آیات تک کو محفوظ کر کے اُمت تک پہنچایا ہو، ان سے یہ بات بے انتہا بعید ہے کہ وہ

سب کے سب چھ حروف کو ختم کرنے پر اس طرح متفق ہو جائیں کہ آج اُن حروف کا کوئی نام و نشان تک باقی نہ رہے، جن آیات کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی، صحابہ کرامؓ نے انہیں بھی کم از کم تاریخی حیثیت میں باقی رکھ کر ہم تک پہنچایا ہے، لیکن کیا وجہ ہے کہ وہ 'حروف' جن کے بارے میں حافظ ابن جریرؒ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ وہ منسوخ نہیں ہوئے، بلکہ محض مصلیٰ اُن کی قراءت و کتابت ختم کر دی گئی، اُن کی کوئی ایک مثال کسی ضعیف روایت میں بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ یہی وجہ ہے کہ پیشتر محقق علماء نے حافظ ابن جریرؒ کی اس قول کی تردید فرمائی ہے جن کے اقوال کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

امام طحاویؒ کا قول

② دوسرا مسلک امام طحاویؒ نے اختیار فرمایا ہے۔ پیچھے گذر چکا ہے کہ اُن کے نزدیک قرآن کریم نازل تو صرف ایک لغت قریش پر ہوا تھا، لیکن اُمت کی آسانی کے خیال سے یہ اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ قرآن کی تلاوت میں سات کی حد تک دوسرے مرادفات استعمال کر سکتے ہیں اور یہ مرادفات بھی آنحضرت ﷺ نے متعین فرمادیئے تھے۔ اسی اجازت کو حدیث میں قرآن کریم کے 'سات حروف' پر نازل ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن یہ اجازت ابتداء اسلام میں تھی، بعد میں جب لوگ قرآنی لغت کے عادی ہو گئے تو خود آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہ اجازت منسوخ ہو گئی اور جب آپ نے اپنی وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبریلؑ سے قرآن کریم کا آخری دور کیا تو اس وقت یہ مرادفات منسوخ کر دیئے گئے اور اب صرف وہی حرف باقی ہے جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا، یعنی حرف قریش، باقی چھ مرادفات منسوخ ہو چکے۔

یہ قول حافظ ابن جریرؒ کے قول کے مقابلہ میں اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اس میں صحابہ کرامؓ کی طرف یہ بات منسوب نہیں کی گئی کہ چھ حروف انہوں نے ترک کئے، بلکہ نسخ کی نسبت خود عہد رسالتؐ کی طرف کی گئی ہے، لیکن اُس پر ایک اشکال تو یہ ہوتا ہے کہ اس قول کے مطابق چھ حروف منزل من اللہ نہیں تھے، حالانکہ حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ کے درمیان جو اختلاف پیش آیا اس میں حضرت ہشامؓ نے حضور ﷺ کے سامنے سورہ فرقان اپنے طریقہ سے تلاوت فرمائی، تو اُسے نہ کر آپؐ نے فرمایا: ہکذا أنزلت (یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے) اور پھر حضرت عمرؓ نے اپنے طریقہ سے تلاوت فرمائی، اُسے نہ کر بھی آپؐ نے فرمایا: ہکذا أنزلت [صحیح البخاری: ۲۴۱۹] (یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے) ان الفاظ کا کھلا ہوا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں طریقے منزل من اللہ تھے۔

دوسرے جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا اس قول میں بھی قراءت کی حیثیت واضح نہیں ہوتی کہ وہ سات حروف میں داخل تھیں یا نہیں۔ اگر داخل تھیں تو چھ حروف کی طرح اُن کے بارے میں بھی یہ کہنا پڑے گا کہ (معاذ اللہ) وہ منزل من اللہ نہیں ہیں۔ حالانکہ یہ اجماع کے خلاف ہے اور اگر داخل نہیں تھیں تو ان کے علیحدہ وجود پر کوئی دلیل نہیں، اس لیے اس قول پر بھی شرح صدر نہیں ہوتا۔

سب سے بہتر قول

تیسرا قول جو سب سے زیادہ اطمینان بخش اور بے غبار ہے وہ یہی ہے کہ سات احرف سے مراد چونکہ اختلاف قراءت ہی کی سات مختلف نوعیتیں ہیں جن کا ذکر پیچھے آچکا ہے، اس لیے یہ ساتوں حروف آج بھی پوری طرح محفوظ

ہیں اور باقی ہیں اور ان کی تلاوت کی جاتی ہے، البتہ اتنا فرق ضرور ہوا ہے کہ ابتدائے اسلام میں قراءتوں کے اختلافات کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان میں مرادف الفاظ کے اختلاف کی کثرت تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ لغت قرآن کے پوری طرح عادی نہیں ہوئے انہیں زیادہ سے زیادہ سہولت دی جائے، بعد میں جب اہل عرب لغت قرآن کے عادی ہو گئے تو مرادفات وغیرہ کے بہت سے اختلافات ختم کر دیئے گئے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے جو آخری دور کیا، (اور جسے اصطلاح میں عرضہ اخیرہ کہا جاتا ہے) اُس وقت بہت سی قراءتیں منسوخ کر دی گئیں جن کی دلیل آگے آ رہی ہے، لیکن جتنی قراءتیں اُس وقت باقی رہ گئیں وہ ساری کی ساری آج تو اتر کے ساتھ چلی آ رہی ہیں اور ان کی تلاوت ہوتی ہے۔

’احرف سبعہ‘ کی پیچیدہ بحث میں یہ وہ بے غبار راستہ ہے جس پر تمام روایات حدیث بھی اپنی اپنی جگہ صحیح بیٹھ جاتی ہیں۔ نہ اُن میں کوئی تعارض یا اختلاف باقی رہتا ہے اور نہ کوئی اور معقول اشکال پیش آتا ہے، اس سلسلے میں مندرجہ شہادت کا جواب ہم آگے تفصیل کے ساتھ دیں گے، جس سے اُس قول کی حقانیت اچھی طرح واضح ہو سکے گی، لیکن پہلے یہ سن لیجئے کہ اس قول کے قائل کون حضرات ہیں؟ یہاں ہم اُن حضرات کے اسمائے گرامی اور حوالے پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس قول کو اختیار کیا یا حافظ ابن جریر طبری کی تردید کی ہے:

اس قول کے قائلین

حافظ ابوالخیر محمد بن الجزری [متوفی ۸۳۳ھ] جو قراءات کے امام اعظم مشہور ہیں اور حدیث و فتنہ میں حافظ ابن کثیر کے شاگرد اور حافظ ابن حجر کے استاد ہیں، اپنی مشہور کتاب ’النشر فی القراءات العشر‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

”أما كون المصاحف العثمانية مشتتة على جميع الاحرف السبعة فان هذه مسألة كبيرة اختلف العلماء فيها فذهب جماعات من الفقهاء والقراء والمتكلمين الى أن المصاحف العثمانية مشتتة على جميع الاحرف السبعة وبنوا ذلك على أنه لا يجوز على الامة أن تهمل نقل شيء من الحروف السبعة التي نزل القرآن بها وقد اجمع الصحابة على نقل المصاحف العثمانية من الصحف التي كتبها ابو بكر وعمر وإرسال كل مصحف منها إلى مصر من أمصار المسلمين وأجمعوا على ترك ما سوى ذلك، قال هؤلاء ولا يجوز أن ينهي عن القراءة ببعض الاحرف السبعة ولا أن يجمعوا على ترك شيء من القرآن، وذهب جماهير العلماء من السلف والخلف وائمة المسلمين إلى أن هذه المصاحف العثمانية مشتتة على ما يحتمله رسمها فقط جامعة للعرضة الاخيرة التي عرضها النبي ﷺ على جبريل عليه السلام متضمنة لها لم تترك حرفاً منها، قلت وهذا القول هو الذي يظهر صوابه لأن الاحاديث الصحيحة والاحاد المشهورة المستفيضة تدل عليه وتشهد له“

[النشر في القراءات العشر: ۳۱۸]

”رہا یہ مسئلہ کہ حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف تیار فرمائے تھے وہ ساتوں حروف پر مشتمل ہیں یا نہیں؟ سو یہ ایک بڑا مسئلہ ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ فقہاء، قراء اور متکلمین کی جماعتوں کا مذہب یہ ہے کہ عثمانی مصاحف ساتوں حروف پر مشتمل ہیں، اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ امت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان سات حروف میں سے کسی حرف کو نقل کرنا ترک کر دے جن پر قرآن نازل ہوا، اور صحابہ نے اجماع طور پر یہ عثمانی مصاحف اُن صحیفوں سے نقل

کئے تھے جو حضرت ابوبکرؓ نے لکھے تھے اور اُن میں ہر ایک مصحف عالم اسلام کے مختلف شہروں میں بھیج دیا تھا اور اُن کے ماسوا جتنے صحیفے تھے اُن کو چھوڑنے پر متفق ہو گئے تھے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ نہ یہ بات جائز ہے کہ حروف سبعہ میں سے کسی حرف کی قراءت روک دی جائے، اور نہ یہ کہ صحابہؓ نے کسی حصہ کے چھوڑنے پر متفق ہو جائیں اور سلف و خلف کے علماء کی اکثریت کا قول یہی ہے کہ یہ عثمانی مصاحف اُن حروف پر مشتمل ہیں جو اُن کے رسم الخط میں سما گئے اور حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے قرآن کریم کا جو آخری دور کیا تھا، اُس کے تمام حروف ان مصاحف میں جمع ہیں، اُن میں سے کوئی حرف ان مصاحف میں نہیں چھوڑا، میرا خیال یہ ہے کہ یہی وہ قول ہے جس کی صحت ظاہر ہے، کیونکہ صحیح احادیث اور مشہور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں اور اسی کی شہادت دیتے ہیں۔“

اور علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں:

”واختلف الأصوليون هل يقرأ اليوم على سبعة أحرف فمنعه الطبري وغيره وقال إنما يجوز بحرف واحد اليوم وهو حرف زيد ونحى إليه القاضي أبو بكر، وقال أبو الحسن الأشعري اجمع المسلمون على أنه لا يجوز حظر ما وسعه الله تعالى من القراءة بالأحرف التي أنزلها الله تعالى ولا يسوغ للامة أن تمنع ما يطلقه الله تعالى، بل هي موجودة في قراءتنا مفرقة في القرآن غير معلومة فيجوز على هذا وبه قال القاضي ان يقرأ بكل ما نقله اهل التواتر من غير تمييز حرف من حرف فيحفظ حرف نافع بحرف الكسائي وحزمة ولا حرج في ذلك“ [عمدة القاری: ۱۲/۲۵۸]

”اور اس بارے میں اصولی علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن کریم کو آج سات حروف پر پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ علامہ (ابن جریر) طبری وغیرہ نے اس سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آج قرآن کی قراءت ایک ہی حرف پر جائز ہے اور وہ حضرت زید بن ثابتؓ کا ثابت ہے اور قاضی ابوبکرؓ بھی اسی طرح مائل ہیں لیکن امام ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حروف نازل کر کے امت کو سہولت عطا فرمائی تھی اسے روکنا کسی کے لیے جائز نہیں اور امت اس بات کی مجاز نہیں ہے کہ جس چیز کی اجازت اللہ نے دی ہو اُسے روک دے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ساتوں حروف ہماری موجودہ قراءت میں موجود ہیں، اور قرآن کریم میں متفرق طور پر شامل ہیں، البتہ معین طور سے معلوم نہیں۔ اس لحاظ سے اُن کی قراءت آج بھی جائز ہے اور یہی قول قاضی صاحب [غالباً قاضی عیاضؒ مراد ہیں] کا ہے، جتنے حروف تواتر کے ساتھ منقول ہیں، اُن سب کو پڑھنا جائز ہے اور ایک حرف کو دوسرے حرف سے ممتاز کرنے کی بھی ضرورت نہیں، چنانچہ نافعؓ کی قراءت کو کسائی اور حمزہؓ کی قراءت کے ساتھ (مخلوط کر کے) یاد کر لیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔“ [اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: النشر فی القراءات العشر: ۱۸/۱۹]

اور علامہ بدر الدین زرقی رحمہ اللہ قاضی ابوبکرؓ کا قول نقل کرتے ہیں:

”والسابع اختاره القاضي أبو بكر، وقال: الصحيح أن هذه الاحرف السبعة ظهرت واستفاضت عن رسول الله ﷺ وضبطها عنه الائمة واثبتها عثمان والصحابه في المصحف“

[البرهان في علوم القرآن: ۲۲۳/۱]

”ساتواں قول قاضی ابوبکرؓ [غالباً قاضی ابوبکر باقلائیؒ مراد ہیں] کیونکہ یہی عبارت علامہ نوویؒ نے قاضی باقلائیؒ کے نام سے روایت کی ہے۔ [شرح مسلم للنووی: ۲۵۶/۱] نے اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ساتوں حروف رسول اللہ ﷺ سے شہرت کے ساتھ منقول ہیں، ائمہ نے انہیں محفوظ رکھا ہے اور حضرت عثمانؓ اور صحابہؓ نے انہیں مصحف میں باقی رکھا ہے۔“

اور علامہ ابن حزمؒ نے بھی حافظ ابن جریرؒ کے قول کی بڑے سخت الفاظ میں تردید کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ چھ حروف کو ختم کرنے کا قول بالکل غلط ہے، اور اگر حضرت عثمانؓ ایسا کرنا بھی چاہتے تو نہ کر سکتے، کیونکہ عالم اسلام کا پچھ پچھ ان حروف سبعہ کے حافظوں سے بھرا ہوا تھا، وہ لکھتے ہیں:

”وَأَمَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ أَبْطَلَ الْأَحْرَفُ السَّبْعَةَ فَقَدْ كَذَبَ مَنْ قَالَ ذَلِكَ وَلَوْ فَعَلَ عَثْمَانُ ذَلِكَ أَوْ أَرَادَهُ لَخَرَجَ عَنِ الْإِسْلَامِ وَلَمَّا مَطَّلْ سَاعَةَ بِلِ الْأَحْرَفِ السَّبْعَةِ كُلِّهَا مَوْجُودَةً عِنْدَنَا قَائِمَةً كَمَا كَانَتْ مَشْبُوتَةً فِي الْقِرَاءَةِ اتِّ الْمَشْهُورَةِ الْمَأْثُورَةِ“ [الفصل في الملل والأهواء والنحل: ۷۷/۷۸، ۷۷/۷۸]

”رہا یہ قول کہ حضرت عثمانؓ نے چھ حروف کو منسوخ کر دیا تو جس نے یہ بات کہی ہے اس نے بالکل غلط کہا ہے، اگر حضرت عثمانؓ ایسا کرتے یا اس کا ارادہ کرتے تو ایک ساعت کے توقف کے بغیر اسلام سے خارج ہو جاتے۔ [علامہ ابن حزمؒ کا یہ قول اس صورت میں ہے جبکہ یوں کہا جائے کہ حضرت عثمانؓ نے (معاذ اللہ) چھ حروف کو منسوخ کر دیا، لیکن واضح رہے کہ حافظ ابن جریرؒ کے قول کے مطابق انہوں نے چھ حروف کو منسوخ نہیں کیا بلکہ ان کی قراءت ترک فرمائی تھی، اس لیے اگرچہ حافظ ابن جریرؒ کا قول درست ہو لیکن وہ اتنے سخت الفاظ کے مستحق نہیں ہیں۔] بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ساتوں کے ساتوں حروف ہمارے پاس بعینہ موجود اور مشہور اور قراءتوں میں محفوظ ہیں۔“

اور مشہور شارح موطا، علامہ ابوالولید باجی مالکیؒ [متوفی ۲۹۳ھ] ’سبعہ احرف‘ کی تشریح سات وجوہ قراءت سے کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”فَإِنْ قِيلَ هَلْ يَقُولُونَ أَنَّ جَمِيعَ هَذِهِ السَّبْعَةِ الْأَحْرَفِ ثَابِتَةٌ فِي الْمَصْحَفِ فَإِنَّ الْقِرَاءَةَ بِجَمِيعِهَا جَائِزَةٌ قِيلَ لَهُمْ كَذَلِكَ نَقُولُ، وَالدَّلِيلُ عَلَى صِحَّةِ ذَلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿إِنَّا نَعْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ وَلَا يَصِحُّ انْفِصَالُ الذِّكْرِ الْمَنْزِلِ مِنْ قِرَاءَةٍ تَهْ يَمَكِّنُ حِفْظَهُ دُونَهَا وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى صِحَّةِ مَا ذَهَبْنَا إِلَيْهِ أَنَّ ظَاهِرَ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ تَبْسِيرًا عَلَى مَنْ أَرَادَ قِرَاءَةً تَهْ لِيَقْرَأَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ بِمَا تَبَسَّرَ عَلَيْهِ وَبِمَا هُوَ أَخْفَى عَلَى طَبْعِهِ وَأَقْرَبَ إِلَى لُغَتِهِ لَمَّا يَلْحَقُ مِنَ الْمَشَقَّةِ بِذَلِكَ الْمَالُوفِ مِنَ الْعَادَةِ فِي النَّطْقِ وَنَحْنُ الْيَوْمَ مَعَ عَجْمَةِ الْأَسْتَنَّا وَبَعْدُنَا عَنْ فَصَاحَةِ الْعَرَبِ أَحْوَجُ“ [المنتقى شرح الموطأ: ۳۷۱/۳۷۲]

”اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا آپ کا قول یہ ہے کہ یہ ساتوں حروف مصحف میں (آج بھی) موجود ہیں، اس لیے کہ ان سب کی قراءت (آپ کے نزدیک) جائز ہے، تو ہم یہ کہیں گے کہ جی ہاں، ہمارا قول یہی ہے، اور اس کی صحت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّا نَعْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) اور قرآن کریم کو اس کی قراءت سے الگ نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن تو محفوظ رہے اور اس کی قراءت ختم ہو جائیں اور ہمارے قول کی صحت پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گھلے طور پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن کو سات حروف پر اس لیے نازل کیا گیا تاکہ اس کی قراءت کرنے والے کو آسانی ہو تاکہ ہر شخص اس طریقہ سے تلاوت کر سکے جو اس کے لیے آسان ہو اس کی طبیعت کے لحاظ سے زیادہ ہل اور اس کی لغت سے زیادہ قریب ہو، کیونکہ گفتگو میں جو عادت پڑ جاتی ہے اُسے ترک کرنے میں مشقت ہوتی ہے اور آج ہم لوگ اپنی زبان کی تجھت اور عربی فصاحت سے دور ہونے کی بناء پر اس سہولت کے زیادہ محتاج ہیں“

اور حضرت امام غزالیؒ اصول فقہ پر اپنی مشہور کتاب ’المستصفی‘ میں قرآن کریم کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

”ما نقل إلینا بین دفنی المصحف علی الاحرف السبعة المشهورة نقلاً متواتراً“ [المستصفی: ۶۵/۱]
 ”وہ کلام جو مصحف کے دو گنتوں میں مشہور سات حروف کے مطابق متواتر طریقہ پر ہم تک پہنچا ہے۔“
 اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ بھی حروف سبعہ کے آج تک باقی رہنے کے قائل ہیں اور ملا علی قاری رحمہ اللہ [متوفی ۱۰۱۳ھ] تحریر فرماتے ہیں:

”وكانه عليه الصلوة والسلام كشف له أن القراءة المتواترة تستقر في أمته على سبع وهي الموجودة الآن المتفق على تواترها والجمهور على أن ما فوقها شاذ لا يحل القراءة به“
 ”اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ منکشف ہو گیا تھا، کہ متواتر قراءتیں آپ کی امت میں آخر کار سات رہ جائیں گی، چنانچہ وہی آج موجود ہیں اور اُن کے تواتر پر اتفاق ہے اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس کے علاوہ جو قراءتیں ہیں وہ شاذ ہیں اور اُن کی تلاوت جائز نہیں۔“ [مرقاۃ المفاتیح: ۶۷/۵]
 اس میں ملا علی قاری کا یہ فرمانا تو درست نہیں ہے کہ سات حروف قراءتوں کے سوا جتنی قراءتیں ہیں وہ سب شاذ ہیں، کیونکہ علماء قراءات نے اس کی سخت تردید کی ہے۔ [النشر فی القراءات العشر: ۳۳۱ وما بعد] لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک احرف سبعہ آج بھی باقی ہیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا قول پیچھے گزر چکا ہے کہ وہ سبعہ احرف میں سات کے عدد کو کثرت کے معنی پر محمول کرتے ہیں، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”ودلیل برآنکہ ذکر سبعہ بجہت تکثیر است نہ برائے تحدید اتفاق ائمہ است بر قراءات عشر دھر قراءتک را از بس عشرہ دو راوی ست دھریکے بار دیگرے مختلف ست پس مرتقی شد عدد قراءات بیست“ [المصنفی: ص ۶۸۷]
 ”اور اس بات کی دلیل کہ سات کا عدد حدیث میں تکثیر کے لیے ہے نہ کہ تحدید کے لیے دس قراءتوں پر ائمہ کا اتفاق ہے، اور اُن دس قراءتوں میں سے ہر ایک کے دو راوی ہیں اور ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے، پس قراءات کی تعداد بیس تک پہنچ گئی ہے۔“

اس عبارت میں اگرچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لفظ سبعہ کو جمہور کے خلاف تکثیر کے لیے قرار دیا ہے، (کیونکہ شاید بیس قراءتوں کو سات وجوہ اختلاف میں منحصر قرار دینا ان پر واضح نہیں ہو سکا) لیکن اس سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جن حروف کا ذکر حدیث میں کیا گیا ہے وہ حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک قراءتیں ہی ہیں اور وہ منسوخ یا متروک نہیں ہوئے بلکہ آج بھی باقی ہیں، آخری دور میں دینی علوم کے امام، محقق عصر، اور حافظ حدیث حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری نے اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے مسئلہ کی حقیقت مختصر الفاظ میں اس طرح واضح فرمادی ہے کہ اُسے حرف آخر کہنا چاہئے۔ یہاں ہم اُن کی پوری تحقیق نقل کرتے ہیں:

”واعلم أنهم اتفقوا على أنه ليس المراد من سبعة أحرف القراءة السبعة المشهورة، بأن يكون كل حرف منها قراءة من تلك القراءات، اعني أنه لا انطباق بين القراءات السبع والاحرف السبعة كما يذهب إليه الوهم بالنظر إلى لفظ السبعة في الموضعين، بل بين تلك الاحرف والقراءة عموم وخصوص وجهي، كيف، وأن القراءات لا تنحصر في السبعة، كما صرح ابن الجوزي في رسالة النشر في قراءة العشر، وإنما اشتهرت السبعة على

الالسنۃ لانہا التی جمعہا الشاطی ثم اعلم أن بعضهم فهم أن بین تلك الاحرف تغایرا من کل وجه، بحیث لا ربط بینہا ولس كذلك، بل قد یكون الفرق بالمجرد والمزید واخری بالابواب، ومرة باعتبار الصیغ من الغائب والحاضر، وطورا بتحقیق الهمزة وتسہیلہا، فکل هذه التغییرات سیرة أو كانت أو كثيرة حرف برأسه، وغلط من فهم أن هذه الاحرف متغایرة کلہا بحیث یعتذر اجتماعہا أما أن کیف عدد السبعة فتوجه إلیہ ابن الجزری وحقق أن التصرفات کلہا ترجع إلی السبعة وراجع القسطلانی والزرقانی، بقی الکلام فی أن تلك الاحرف کلہا موجودة أو رفع بعضها وبقی البعض فاعلم أن ما قرأه جبریل علیہ السلام فی العرضة الاخیرة علی النبی! کلہ ثابت فی مصحف عثمان، ولما یتعین معنی الاحرف عند ابن جریر یردھب إلی رفع الاحرف الست منها وبقی واحد فقط“ [فیض الباری: ۳/۳۲۱، ۳۲۲]

”یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ سات حروف سے مراد مشہور سات قراءتیں نہیں اور یہ بات نہیں ہے کہ ہر حرف ان سات قراءتوں میں سے ایک قراءت ہو، مطلب یہ ہے کہ سات قراءتیں اور سات حروف ایک چیز نہیں جیسے کہ سات کے لفظ سے پہلی نظر میں وہم ہوتا ہے، بلکہ ان حروف اور سات قراءتوں میں عموم وخصوص من وجہ (مطلب یہ ہے کہ سات قراءتوں میں سے بعض قراءتیں احرف سبعہ میں سے ہیں، جیسے کہ تمام متواتر قراءات اور بعض قراءتیں ایسی ہیں جو احرف سبعہ میں داخل نہیں، مثلاً قراء سبعہ کی شاذ قراءتیں یا وہ قراءتیں جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور احرف سبعہ کے بعض اختلافات ایسے ہیں جو قراءات سبعہ میں شامل نہیں، مثلاً امام یعقوب، امام ابو جعفر اور خلف کی متواتر قراءتیں کہ یہ احرف سبعہ میں سے ہیں، مگر معروف قراءات سبعہ میں سے نہیں) کی نسبت ہے اور یہ دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ قراءتیں سات میں منحصر نہیں، جیسا کہ علامہ ابن الجزری نے النشر فی قراءات العشر میں تصریح کی ہے، البتہ سات قراءتوں کا لفظ زبان پر اس لیے مشہور ہو گیا کہ علامہ شاطبی نے انہی سات قراءتوں کو جمع کیا ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سات حروف کے درمیان کلی تغایر ہے اور ان میں کوئی باہم ربط نہیں ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں بلکہ بعض اوقات دو حروف میں فرق صرف صیغہ مجرد اور صیغہ مزید کا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ صرف (صرنی) ابواب کا اور بعض دفعہ غائب و حاضر کے صیغوں کا اور کبھی صرف ہمزہ کو باقی رکھتے اور اس کی تسہیل کرنے کا، پس یہ تمام تغیرات خواہ معمولی ہوں یا بڑے بڑے مستقل حرف ہیں اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حروف کے درمیان کلی تغایر ہے، اور اُن کا (ایک کلمہ میں) جمع ہونا ناممکن ہے اُن سے غلطی ہوئی ہے۔ رہی یہ بات کہ حدیث میں سات کے عدد کو کیا مطلب ہے؟ سو اس کا جواب علامہ ابن الجزری نے دیا ہے اور تحقیق کی بیان کی ہے کہ یہ سارے تغیرات سات قسم کے ہیں اور اس مسئلہ میں قسطلانی اور زرقانی کی مراجعت بھی کر لیجئے، اب صرف یہ بات رہ گئی کہ یہ تمام حروف موجود ہیں، یا ان میں سے بعض ختم کر دیئے گئے اور بعض باقی ہیں، پس یہ سمجھ لیجئے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے جتنے حروف حضور ﷺ کے ساتھ قرآن کے دور میں پڑھے تھے وہ سب حضرت عثمانؓ کے نصف میں موجود ہیں، اور چونکہ علامہ ابن جریرؒ پر حروف کے معنی واضح نہیں ہو سکے، اس لیے انہوں نے یہ مذہب اختیار کر لیا کہ چھ حروف ختم ہو گئے اور صرف ایک باقی رہ گیا۔“

اس طرح مصر کے علماء متاخرین میں سے مشہور محقق علامہ زہد الکوشیؒ [متوفی ۱۳۷۱ھ] تحریر فرماتے ہیں:

”والاول رأى القائلين بان الاحرف السبعة كانت في مبدء الامر ثم نسخت بالعرضة الاخيرة في عهد النبي ﷺ فلم يبق الاحرف واحد ورأى القائلين بان عثمان، جمع الناس على حرف واحد ومنع من الستة الباقية مصلحة، وإليه نحا ابن جرير وتهيبه ناس فتابعوه لكن هذا رأى

خطیر قام ابن حزم بأشد النكير عليه في الفصل وفي الاحكام وله الحق في ذلك والثاني رأى القائلين بأنها هي الاحرف السبعة المحفوظة كما هي في العرضة الاخيرة، الخ“] مقالات الكوثري: ص ۲۱۰، ۲۱۱

”پہلی رائے (کہ موجودہ قراءات ایک ہی حرف کی مختلف شکلیں ہیں) اُن حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سات حروف ابتداء اسلام میں تھے، پھر عرضہ اخیرہ (حضرت جبریلؑ سے حضورؐ کے آخری دور) سے حضورؐ ہی کے زمانہ میں منسوخ ہو گئے اور اب صرف ایک باقی رہ گیا، نیز یہی رائے اُن حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے تمام لوگوں کو ایک حرف پر جمع کر دیا تھا، اور ایک مصطلحت کی وجہ سے باقی چھ حروف کی قراءت روک دی تھی، حافظ ابن جریرؒ کا یہی مسلک ہے اور بہت سے لوگ اس معاملہ میں اُن سے مرعوب ہو کر اُن کے پیچھے لگ گئے، لیکن درحقیقت یہ بڑی سنگین اور خطرناک رائے ہے، اور علامہ ابن حزم نے ’الفصل‘ اور ’الاحکام‘ میں اس پر سخت ترین نکیر ہے، جس کا انہیں حق تھا اور دوسری رائے (کہ موجودہ قراءات ہے) احرف سبعہ ہیں، اُن حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہی وہ حروف ہیں جو عرضہ اخیرہ کے مطابق محفوظ چلے آتے ہیں۔“

ہم نے یہ تمام اقوال تفصیل کے ساتھ اس لیے پیش کئے ہیں کہ آج کل علامہ ابن جریر طبریؒ کا قول ہی زیادہ مشہور ہو گیا ہے اور علامہ ابن جریرؒ کی جلیل القدر شخصیت کے پیش نظر اسے عموماً ہر شک و شبہ سے بالاتر سمجھا جاتا ہے اس کی بناء پر ابن الجوزیؒ کا یہ غبار قول یا تو لوگوں کو معلوم نہیں ہے، یا اگر معلوم ہے تو اسے ایک ضعیف قول سمجھا جاتا ہے، حالانکہ گذشتہ بحث کی روشنی میں یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ امام مالک، علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابوالفضل رازی، قاضی ابوبکر ابن الطیب، امام ابوالحسن اشعری، قاضی عیاض، علامہ ابن حزم، علامہ ابوالولید باجی، امام غزالی اور ملا علی قاریؒ جیسے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ساتوں حروف آج بھی محفوظ اور باقی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے عرضہ اخیرہ کے وقت جتنے حروف باقی رہ گئے تھے اُن میں سے کوئی نہ منسوخ ہوا، نہ اُسے ترک کیا گیا، بلکہ محقق ابن الجوزیؒ نے اپنے اس قول کو اپنے سے پہلے جمہور علماء کا مسلک قرار دیا ہے، علماء متاخرین میں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور علامہ زاہد کوثریؒ کا بھی یہی قول ہے، نیز مصر کے مشہور علماء علامہ محمد نجیت مطیعی، علامہ خضریٰ میاطلی اور شیخ عبدالعظیم زرقانیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ [مناہل العرفان: ۱۵۱/۱]

لہذا دلائل سے قطع نظر، محض شخصیات کے لحاظ سے بھی یہ قول بڑا وزنی قول ہے۔

اس قول کے دلائل

اب وہ دلائل ذیل میں پیش خدمت ہیں جن سے اس قول کی تائید ہوتی ہے، اس کے کچھ دلائل تو مذکورہ بالا اقوال میں آچکے ہیں، مزید مندرجہ ذیل ہیں:

① قرآن کریم کی آیت ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ ”ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں“ صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ جو آیات قرآنی خود اللہ تعالیٰ نے منسوخ نہ فرمائی ہوں وہ قیامت تک باقی رہیں گی، دوسری طرف پیچھے وہ احادیث گزر چکی ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ قرآن کے ساتوں حروف منزل من اللہ تھے۔ اس لیے مذکورہ آیت کا واضح تقاضا یہی ہے کہ وہ ساتوں حروف قیامت تک محفوظ رہیں۔

۴ اگر حضرت عثمانؓ نے چھ حروف کو ختم کر کے صرف ایک حرف پر مصحف تیار کیا ہوتا تو اس کی کہیں کوئی صراحت تو ملنی چاہئے تھی، حالانکہ نہ صرف اس کی کوئی صراحت موجود نہیں ہے، بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصحف عثمانی میں ساتوں حروف موجود تھے۔ مثلاً روایات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنا مصحف حضرت ابوبکرؓ کے جمع فرمودہ صحیفوں کے مطابق لکھوایا تھا اور لکھنے کے بعد دونوں کا مقابلہ بھی کیا گیا، جس کے بارے میں خود حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:

”فعرضت المصحف علیہا فلم یختلفا فی شیء“ [مشکل الآثار: ۱۹۳/۴]

”میں نے مصحف کا مقابلہ ان صحیفوں سے کیا تو دونوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔“

اور ظاہر ہے کہ حافظ ابن جریر طبریؒ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ساتوں حروف موجود تھے اس لیے حضرت ابوبکرؓ کے صحیفوں میں قرآن کریم کو یقیناً ان ساتوں حروف پر لکھا گیا ہوگا، لہذا اگر حضرت عثمانؓ نے چھ حروف کو ختم کر دیا ہوتا تو حضرت زید بن ثابتؓ ثابت فی اللہ کا یہ ارشاد کیسے درست ہو سکتا ہے کہ ”دونوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔“

۵ علامہ ابن الانباریؒ نے کتاب المصاحف میں حضرت عبیدہ سلمانیؒ کا جو مشہور تابعی ہیں یہ قول نقل فرمایا ہے:

”قرأت ما جمعت الناس عثمان علیہا ہی العرضة الاخری“ [کنز العمال: ج ۱، رقم الحدیث ۳۸۴۰]

یہی روایت حافظ ابن حجرؒ نے بھی مستنداً، ابن ابی داؤد اور طبریؒ کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ [فتح الباری: ۳۶۷/۹]

”ہماری وہ قراءت جس پر حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جمع فرمایا وہ عرضہ اخیرہ کی قراءت تھی۔“

حضرت عبیدہؒ کا یہ قول اس بات پر بالکل صریح ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان حروف میں سے کوئی نہیں چھوڑا، جو عرضہ اخیرہ (حضرت جبریلؑ کے ساتھ حضور ﷺ کے آخری قرآنی دور) کے وقت باقی تھے، اس پر بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ کا آخری دور صرف ایک حرف قریش پر ہوا تھا اور اسی پر حضرت عثمانؓ نے سب کو جمع کر دیا، لیکن یہ بات بہت بعید ہے کہ جو حروف منسوخ نہیں ہوئے تھے وہ اس دور سے خارج رہے ہوں۔

۶ حضرت محمد بن سیرینؒ بھی مشہور تابعی ہیں، علامہ ابن سعدؒ نے ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

”کان جبریل يعرض القرآن على النبي ﷺ كل عام مرة في رمضان فلما كان العام الذي توفي فيه عرضه عليه مرتين، قال محمد، فأنا أرجو أن تكون قراءتنا العرضة الاخرية“

[الطبقات الكبرى: ۱۹۵/۲]

”حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ رمضان میں حضور ﷺ کے سامنے قرآن پیش کیا کرتے تھے، چنانچہ جب وہ سال آیا جس میں آپؐ کی وفات ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے دو مرتبہ قرآن پیش کیا، پس مجھے اُمید ہے کہ ہماری موجودہ قراءت اس عرضہ اخیرہ کے مطابق ہے۔“

۷ حضرت عامر شعبیؒ بھی مشہور تابعی ہیں اور انہوں نے سات سو صحابہ سے استفادہ کیا ہے۔ علامہ ابن الجوزیؒ نے ان سے بھی اسی قسم کا قول نقل کیا ہے۔

یہ تینوں حضرات تابعی ہیں اور حضرت عثمانؓ کے عہد سے نہایت قریب ہیں، اس لیے ان کا قول اس باب میں قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

۷ پورے ذخیرہ احادیث میں ہمیں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلافات تھے۔ ایک سات حروف کا اختلاف اور دوسرا قراءتوں کا اختلاف۔ اس کے بجائے بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک چیز ہیں، کیونکہ ایک ہی قسم کے اختلاف پر بیک وقت ”اختلاف قراءت“ اور اختلاف اُحرف دونوں الفاظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يَصَلِّيُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً انْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ آخَرُ قَرَأَ سُورَةَ قِرَاءَةٍ صَاحِبِهِ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلَاةَ ادْخَلَنَا جَمِيعًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ اِنْ هَذَا قِرَاءَةُ انْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ سُورَةَ صَاحِبِهِ فَاَمَرَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَرَأَ فَحَسَنَ النَّبِيُّ ﷺ شَأْنَهُمَا فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ وَلَا اَذْكُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَةِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا قَدْ عَشَيْتَنِي ضَرْبَ فِي صَدْرِي فَفَضَّتْ عِرْقًا وَكَأَنَّمَا انْظُرُ إِلَى اللَّهِ فَرَقًا فَقَالَ لِي يَا أَبُي ارْسِلْ إِلَيَّ اِنْ اَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ اِنْ هُوَ عَلَى أُمَّتِي فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّانِيَةَ اَنْ اَقْرَأَهُ عَلَى حَرْفَيْنِ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ اِنْ هُوَ عَلَى أُمَّتِي فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّلَاثَةَ اَقْرَأَهُ عَلَى سَبْعَةِ اَحْرَفٍ“

[صحیح مسلم: ۱۹۰۴]

”میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ اس نے ایک ایسی قراءت پڑھی جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی، پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت کے سوا ایک اور قراءت پڑھی، پس جب ہم نے نماز ختم کر لی تو ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے ایک ایسی قراءت پڑھی ہے جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی، پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت کے سوا ایک دوسری قراءت پڑھی۔ اس پر آپ نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا، ان دونوں نے قراءت کی تو حضور ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی۔ اس پر میرے دل میں تکذیب کے ایسے ایسے وسوسے آنے لگے کہ جاہلیت میں بھی ایسے خیالات نہیں آتے تھے، پس جب رسول اللہ ﷺ نے میری حالت دیکھی تو میرے سینے پر مارا جس سے میں پسینہ میں شرابور ہو گیا، اور خوف کی حالت میں مجھے ایسے معلوم ہوا جیسے اللہ کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابی! میرے پروردگار نے میرے پاس پیغام بھیجا تھا کہ میں قرآن کو ایک حرف پر پڑھوں، میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری اُمت پر آسانی فرمائیے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں قرآن دو حروف پر پڑھوں، میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری اُمت پر آسانی فرمائیے، تو اللہ تعالیٰ نے تیسری بار پیغام بھیجا کہ میں اسے سات حروف پر پڑھوں۔“

اس روایت میں حضرت ابی بن کعبؓ دونوں اشخاص کے اختلاف تلاوت کو بار بار اختلاف قراءت سے تعبیر فرما رہے ہیں اور اسی کو آنحضرت ﷺ نے سات حروف کے اختلاف سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ قراءت کے اختلاف اور حروف کے اختلاف کو عہد رسالت میں ایک ہی چیز سمجھا جاتا تھا اور اس کے خلاف کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جو دونوں کی جداگانہ حیثیت پر دلالت کرتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، اور جب قراءت کا محفوظ ہونا توازن اور اجماع سے ثابت ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ احرف سبوح آج بھی محفوظ ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حروف سبوح کا جتنا حصہ عرضہ اخیرہ کے وقت باقی رہ گیا تھا وہ سارے کا سارا عثمانی مصحف میں محفوظ کر لیا گیا تھا اور وہ آج تک محفوظ چلا آتا ہے، نہ اسے کسی نے منسوخ کیا اور نہ اُس کی قراءت ممنوع قرار دی گئی، لیکن ضروری ہے کہ مکمل وضاحت کے لیے ان ممکنہ سوالات کا

جواب بھی دیا جائے جو اس قول پر وارد ہو سکتے ہیں۔

اس قول پر وارد ہونے والے سوالات اور ان کا جواب:

(۱) اس قول پر سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ نے ساتوں حروف کو باقی رکھا ہے تو پھر اُن کا وہ امتیازی کارنامہ کیا تھا جس کی وجہ سے اُن کو ”جامع القرآن“ کہا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کریم بے شمار صحابہ کو پورا یاد تھا، لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک قرآن کریم کا معیاری نسخہ ﷺ صرف ایک تھا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتب فرمایا تھا، یہ نسخہ بھی مصحف کی شکل میں نہیں تھا بلکہ ایک ایک سورت علیحدہ علیحدہ صحیفوں میں لکھی ہوئی تھی، لیکن بعض صحابہؓ نے انفرادی طور پر اپنے اپنے مصاحف الگ الگ تیار کر رکھے تھے اُن میں نہ رسم الخط متحد تھا، نہ سورتوں کی ترتیب یکساں تھی اور نہ ساتوں حروف جمع تھے، بلکہ ہر شخص نے آنحضرت ﷺ سے جن حروف کے مطابق قرآن سیکھا تھا اسی کو اپنے طور پر لکھ لیا تھا۔ اس لیے کسی مصحف میں کوئی آیت کسی حرف کے مطابق لکھی ہوئی تھی اور دوسرے مصحف میں کسی اور حرف کے مطابق، جب تک عہد رسالت قریب تھا اور مسلمانوں کا تعلق مرکز اسلام یعنی مدینہ طیبہ سے مضبوط اور مستحکم تھا۔ مصاحف کے اس اختلاف سے کوئی قابل ذکر خرابی اس لیے پیدا نہ ہو سکی کہ قرآن کریم کی حفاظت میں اصل مدار مصاحف کے بجائے حافظ پر تھا اور صحابہؓ کی اکثریت اس بات سے باخبر تھی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، لیکن جب اسلام دور دراز ممالک تک پھیلا اور نئے نئے لوگ مسلمان ہوئے تو انہوں نے صرف ایک ایک طریقے سے قرآن سیکھا اور یہ بات ان میں عام نہ ہو سکی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ اس لیے ان میں اختلاف پیش آنے لگا، بعض لوگ اپنی قراءت کو حق اور دوسرے کی قراءت کو باطل سمجھنے لگے۔ ادھر چونکہ انفرادی طور پر تیار کئے ہوئے مصاحف بھی حرف اور رسم الخط کے اعتبار سے مختلف تھے اور ان میں حروف سب سے یکساں کرنے کا اہتمام نہیں تھا اس لیے کوئی ایسا معیاری نسخہ ان کے پاس موجود نہیں تھا جس کی طرف رجوع کر کے اختلاف رفع کیا جاسکے۔

ان حالات میں حضرت عثمانؓ نے محسوس کیا کہ اگر یہ صورت حال برقرار رہی اور انفرادی مصاحف کو ختم کر کے قرآن کریم کے معیاری نسخے عالم اسلام میں نہ پھیلائے گئے تو زبردست فتنہ رونما ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے مندرجہ ذیل کام کئے:

- ① قرآن کریم کے سات معیاری نسخے تیار کرائے اور انہیں مختلف اطراف میں روانہ کر دیا۔
- ② ان مصاحف کا رسم الخط ایسا رکھا کہ اس میں ساتوں حروف سما جائیں چنانچہ یہ مصاحف نقطوں اور حرکات سے خالی تھے اور انہیں ہر حرف کے مطابق پڑھا جاسکتا ہے۔
- ③ جتنے انفرادی مصاحف لوگوں نے تیار کر رکھے تھے اُن سب کو نذر آتش کر کے دفن کر دیا۔
- ④ یہ پابندی عائد کر دی کہ آئندہ جتنے مصاحف لکھے جائیں وہ سب ان سات مصاحف کے مطابق ہونے چاہئے۔
- ⑤ حضرت ابوبکرؓ کے صحیفے الگ الگ سورتوں کی شکل میں تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان سورتوں کو مرتب کر کے ایک مصحف کی شکل دے دی۔

ان اقدامات سے حضرت عثمانؓ کا مقصد یہ تھا کہ پورے عالم اسلام میں رسم الخط اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار

سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں اور ان میں حروف سبعہ اس طرح جمع ہو جائیں کہ بعد میں کسی شخص کو کسی صحیح قراءت سے انکار کرنے یا غلط قراءت پر اصرار کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے اور اگر بھی قراءت میں کوئی اختلاف رونما ہو تو مصحف کی طرف رجوع کر کے اُسے آسانی رفع کیا جاسکے۔

یہ بات حضرت علیؓ کے ایک ارشاد سے واضح ہے جو امام ابن ابی ابوداؤد نے کتاب المصاحف میں صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے:

”قال علی لا تقولوا فی عثمان إلا خیراً فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملأ منا قال، ما تقولون فی هذه القراءة فقد بلغنی ان بعضهم یقول أن قراءتہ تی خیر من قراءتہ تک وهذا یکاد أن یکون کفراً، قلنا فما تری؟ قال أری أن نجتمع الناس علی مصحف واحد فلا تكون فرقة ولا اختلاف، قلنا فنعم مارأیت“ [کتاب المصاحف ص ۲۲، فتح الباری: ۱۵/۹]

”حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں کوئی بات اُن کی بھلائی کے سوا نہ کہو، کیونکہ اللہ کی قسم انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں کیا، انہوں نے ہم سے مشورہ کرتے ہوئے پوچھا تھا کہ ان قراءتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیونکہ مجھے یہ اطلاعات مل رہی ہیں کہ بعض لوگ دوسروں سے کہتے ہیں کہ ”میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے“ حالانکہ یہ ایسی بات ہے جو کفر کے قریب پہنچتی ہے۔ اس پر ہم نے حضرت عثمانؓ سے کہا: ”پھر آپ کی کیا رائے ہے؟“ انہوں نے فرمایا: میری رائے یہ ہے ہم سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تاکہ پھر کوئی افتراق و اختلاف باقی نہ رہے، ہم سب نے کہا آپ نے بڑی اچھی رائے قائم کی ہے۔“

یہ حدیث حضرت عثمانؓ کے کام کے بارے میں واضح ترین حدیث ہے، اس میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ”نجمع الناس علی مصحف واحد“ فرما کر یہ ارادہ ظاہر فرمایا ہے کہ ہم ایک ایسا مصحف تیار کرنا چاہتے ہیں جو پورے عالم اسلام کے لیے یکساں ہو، اور اس کے ذریعہ باہمی اختلافات کو ختم کیا جاسکے اور اسکے بعد کسی صحیح قراءت کے انکار اور منسوخ یا شاذ قراءت پر اصرار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ [الاتقان: ۱/۱۶۱]

نیز ابن اثیر رحمہ اللہ نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ:

”اختلفوا فی القرآن علی عهد عثمان حتی اقتتل الغلامان والمعلمون فبلغ ذلك عثمان بن عفان فقال عندی تکذبون وتلحنون فیہ فمن نأی عنی کان أشد تکذیباً وأكثر لحناً، یا أصحاب محمد اجتماع ہو جادور لوگوں کے لیے ایک ایسا نسخہ تیار کرو جس کی اقتداء کی جائے۔“

”حضرت عثمانؓ کے عہد میں قرآن کے بارے میں اختلاف ہوا، یہاں تک کہ بچے اور معلمین لڑنے لگے، یہ اطلاع حضرت عثمانؓ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ تم میرے قریب رہتے ہوئے (صحیح قراءتوں کی) تکذیب کرتے ہو، اور اس میں غلطیاں کرتے ہو، لہذا جو لوگ مجھ سے دور ہیں وہ تو اور بھی زیادہ تکذیب اور غلطیاں کرتے ہوں گے، پس اسے اصحاب محمد جمع ہو جادور لوگوں کے لیے ایک ایسا نسخہ تیار کرو جس کی اقتداء کی جائے۔“

اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت عثمانؓ کا مقصد قرآن کے کسی حرف کا ختم کرنا نہیں تھا، بلکہ انہیں تو اس بات کا افسوس تھا کہ بعض لوگ صحیح حروف کا انکار کر رہے ہیں اور بعض لوگ غلط طریقہ سے تلاوت پر اصرار کر رہے ہیں۔ اس لیے وہ ایک معیاری نسخہ تیار کرنا چاہتے تھے جو پوری دنیا کے اسلام کے لیے یکساں ہو۔

[بہت سے علماء نے حضرت عثمانؓ کے عمل کی یہی تشریح فرمائی ہے، ملاحظہ ہو الفصل فی الملل والاهواء والنحل: ص ۷۷، البيان فی علوم القرآن، ص ۶۲، مناهل العرفان: ۱/۲۳۸ تا ۲۵۶]

نفس قریش پر لکھنے کا مطلب

۲) یہاں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جس وقت حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی قیادت میں صحیفہ قرآنی مرتب کرنے کیلئے صحابہؓ کی ایک جماعت بنائی تو ان سے فرمایا تھا:

”إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَابْتِغُوا لِسَانَ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا أُنْزِلَ بِلِسَانِهِمْ“

”جب تمہارے اور حضرت زید بن ثابتؓ کے درمیان قرآن کے کسی حصہ میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان پر لکھنا، کیونکہ قرآن انہی کی زبان پر نازل ہوا ہے۔“ [صحیح البخاری: ۳۵۰۶]

..... اگر حضرت عثمانؓ نے ساتوں حروف باقی رکھے تھے تو اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت حضرت عثمانؓ کا یہی وہ جملہ ہے جس سے حافظ ابن جریرؒ اور بعض دوسرے علماء نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے چھ حروف ختم کر کے صرف ایک حرف قریش کو صحیفہ میں باقی رکھا تھا، لیکن درحقیقت اگر حضرت عثمانؓ کے اس ارشاد پر اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ مطلب سمجھنا درست نہیں ہے کہ انہوں نے حرف قریش کے علاوہ باقی چھ حروف کو ختم فرما دیا تھا بلکہ مجموعی روایات دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ارشاد سے حضرت عثمانؓ کا یہ مطلب تھا کہ اگر قرآن کریم کی کتابت کے دوران رسم الخط کے طریقے میں کوئی اختلاف ہو تو قریش کے رسم الخط کو اختیار کیا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی اس ہدایت کے بعد صحابہؓ کی جماعت نے جب کتابت قرآن کا کام شروع کیا تو پورے قرآن کریم میں ان کے درمیان صرف ایک اختلاف پیش آیا، جس کا ذکر امام زہریؒ نے اس طرح فرمایا ہے:

”فَاخْتَلَفُوا يَوْمَئِذٍ فِي التَّابُوتِ وَالتَّابُوتِ فَقَالَ الْفَرَسِيُّونَ الْقُرَشِيُّونَ التَّابُوتُ وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ التَّابُوتُ فَرَفَعَ اخْتِلَافَهُمْ إِلَى عُثْمَانَ فَقَالَ اكْتُبْهُ التَّابُوتُ فَانْهَ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ نَزَلَ“

[کنز العمال: ۴۷۸۳، فتح الباری: ۱۶۹]

”چنانچہ اس موقع پر ان کے درمیان ”تابوت“ اور ”تابوتہ“ میں اختلاف ہوا، قریشی صحابہؓ کہتے تھے کہ تابوت (بڑی تاء سے لکھا جائے) اور حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے تھے کہ تابوتہ (گول تاء سے لکھا جائے) پس اس اختلاف کا معاملہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا، جس پر انہوں نے فرمایا کہ اسے التابوت لکھو، کیونکہ قرآن قریش کی زبان پر نازل ہوا ہے۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ اور قریشی صحابہؓ کی کتابت کے درمیان جس اختلاف کا ذکر فرمایا اس سے مراد رسم الخط کا اختلاف تھا نہ کہ لغات کا۔

مراد الفاظ سے تلاوت کا مسئلہ

۳) تیسرا سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سبعتہ احرف کے اختلاف کی جو تشریح فرمائی ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سات حروف مصاحف عثمانی میں شامل نہیں ہو سکے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں:

”أَنْ جَبْرِيلُ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ اقْرَأْ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ، قَالَ مِكَائِيلُ اسْتَزَدَهُ حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ“

أحرف، قال كل شافٍ كافٍ ما لم تخلط آية عذاب برحمة أو رحمة بعذاب نحو قولك تعال وأقبل وهلم واذهب و اسرع و عجل“ [یہ الفاظ مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں، أوجز المسالك: ۲/۳۵]

”جبریل علیہ السلام نے (حضور ﷺ سے) کہا کہ اے محمد! قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھئے، میکائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے کہا اس میں اضافہ کرو ایسے، یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا، حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا ان میں سے ہر ایک ثنائی کافی ہے، تاوقتیکہ آپ عذاب کی آیت کو رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ کروں، یہ ایسا ہی ہوگا، جیسے آپ تعالٰیٰ (آؤ) کے معنی کو اقبل، ہلم، اذہب، اسرع اور عجل کے الفاظ سے ادا کریں۔“

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سبعة احرف کا اختلاف درحقیقت مرادف الفاظ کا اختلاف تھا یعنی ایک حرف میں کوئی ایک لفظ اختیار کیا گیا تھا اور دوسرے حرف میں اسی کا ہم معنی کوئی دوسرا لفظ، حالانکہ عثمانی مصاحف میں جو قراءتیں جمع ہیں اُن کے درمیان مرادفات کا یہ اختلاف بہت کم ہے ان قراءتوں میں جو اختلاف ہے وہ زیادہ تر حرکات، صیغوں، تذکیر و تانیث اور لہجوں کا اختلاف ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم نے ’سات حروف‘ کی جس تشریح کو اختیار کیا ہے اس میں قراءتوں کے درمیان سات قسم کے اختلافات بیان کئے گئے ہیں، اُن سات اقسام میں سے ایک قسم بدلیت مرادف کا اختلاف ہے، حضرت ابوبکرؓ نے یہاں سات حروف کے مکمل تشریح نہیں فرمائی، بلکہ اس کی صرف ایک مثال دی ہے، اس لیے اختلاف کی صرف ایک قسم یعنی اختلاف الفاظ بدلیت کا ذکر فرمایا ہے۔

اب اختلاف قراءات کی یہ قسم یعنی اختلاف الفاظ ابتدائے اسلام میں بہت زیادہ تھی، چونکہ تمام اہل عرب لغت قریش کے پوری طرح عادی نہ تھے، اس لیے شروع میں انہیں یہ سہولت زیادہ سے زیادہ دی گئی تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ سے سنے ہوئے متبادل الفاظ میں سے جس لفظ کے ساتھ چاہیں تلاوت کر لیا کریں، چنانچہ شروع میں ایسا بکثرت تھا کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہو اور دوسری قراءت میں اس کا ہم معنی دوسرا لفظ، لیکن جب لوگ لغت قرآن سے پوری طرح مانوس ہو گئے تو اختلاف قراءات کی یہ قسم رفتہ رفتہ کم کر دی گئی، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؐ سے قرآن کریم دوسرے دور فرمایا، اس وقت بہت سے الفاظ منسوخ کر دیئے گئے اور اس طرح الفاظ مرادف کا اختلاف بہت کم رہ گیا۔

اب حضرت عثمانؓ نے وہ الفاظ مرادف اپنے مصاحف میں جمع نہیں فرمائے جو اس آخری دور میں منسوخ ہو چکے تھے، کیونکہ اُن کی حیثیت اب منسوخ التلاوة آیات کی سی تھی، البتہ قراءتوں کا جو اختلاف آخری دور میں بھی باقی رکھا گیا تھا، اُسے حضرت عثمانؓ نے جو کاتوں باقی رکھا، لہذا حضرت ابوبکرؓ نے حروف کے اختلاف کی جو قسم مذکورہ حدیث میں بطور مثال مذکور فرمائی ہے، وہ قسم ہی جس کی بیشتر جزئیات عرضہ اخیرہ کے وقت منسوخ ہو چکی تھیں، چنانچہ وہ مصاحف عثمانی میں شامل نہیں ہو سکیں اور نہ موجودہ قراءات اُن پر مشتمل ہیں۔

مذکورہ بالا نتائج تین مقدمات سے مستطہ ہوتے ہیں:

① عرضہ اخیرہ (حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ حضور ﷺ کے آخری قرآنی دور) کے وقت قرآن کریم کی

متعدد قراءتیں منسوخ کی گئی تھیں۔

② حضرت عثمانؓ نے مصاحف عثمانی کو عرضہ اخیرہ کے مطابق ترتیب دیا۔

③ حضرت عثمانؓ کے مصحف میں مرادف الفاظ کا وہ اختلاف موجود نہیں ہے جو حضرت ابوبکرؓ نے بیان فرمایا ہے۔ جہاں تک تیسرے مقدمے کا تعلق ہے وہ تو بالکل ظاہر ہے اور دوسرے مقدمہ کے دلائل ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں، جن میں سے صریح ترین دلیل حضرت عبیدہ سلمانیؓ کا یہ ارشاد ہے کہ ”حضرت عثمانؓ نے ہمیں جس قراءت پر جمع کیا وہ عرضہ اخیرہ کے مطابق تھی۔“ [کنز العمال: ۲۸۶/۱، حدیث: ۲۸۴]

اب پہلا مقدمہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ عرضہ اخیرہ کے وقت متعدد قراءتیں منسوخ ہو گئی تھیں، اس کی دلیل محقق ابن الجزریؒ کا یہ ارشاد ہے:

”ولا شك أن القرآن نسخ منه وغير فيه في العرضة الأخيرة فقد صح النص بذلك عن غير واحد من الصحابة وروينا بإسناد صحيح عن زر بن حبیش قال قال لى ابن عباس أى القراءتين تقرأ قلت الأخيرة قال فان النبىﷺ كان يعرض القرآن على جبريل عليه السلام في كل عام مرة قال فعرض عليه القرآن في العام الذى قبض فيه النبىﷺ مرتين فشهد عبدالله يعنى ابن مسعود ما نسخ منه وما يبدل“ [النشر فى القراءات العشر: ۳۲/۱]

”اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عرضہ اخیرہ کے موقع پر قرآن کریم میں بہت کچھ منسوخ کیا گیا اور بدلا گیا ہے کیونکہ اس کی تصریح متعدد صحابہؓ سے منقول ہے۔ ہم تک صحیح سند کے ساتھ حضرت زر بن حبیشؓ کا یہ قول پہنچا ہے کہ مجھ سے ابن عباسؓ نے پوچھا تم کون سی قراءت پڑھتے ہو؟ میں نے کہا کہ آخری قراءت، انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ہر سال ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے تھے، پس جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اُس سال آپؐ نے دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن سنایا، اس موقع پر جو کچھ منسوخ ہوا اور جس قدر تبدیلی کی گئی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے شاہد تھے۔“

[حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس موضوع کی متعدد روایات مختلف محدثین کے حوالوں سے نقل کی ہیں: فتح الباری: ۳۶/۹]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عرضہ اخیرہ کے وقت بہت سی قراءتیں خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے منسوخ قرار دے دی گئی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے مرادف الفاظ کے جس اختلاف کا ذکر فرمایا ہے اُس کی بہت سی جزئیات بھی یقیناً اسی وقت منسوخ ہو گئی ہوں گے، کیونکہ حضرت عثمانؓ نے عرضہ اخیرہ کے مطابق مصحف تیار کرائے ہیں، ان میں الفاظ مرادف کا اختلاف بہت شاذ و نادر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کا مصحف

④ مذکورہ بالا تحقیق پر جو تھا اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جمع قرآن کا جو کارنامہ انجام دیا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ اس سے خوش نہیں تھے اور انہوں نے اپنا مصحف بھی نذر آتش نہیں ہونے دیا۔ اگر حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ نے چھ حروف ختم نہیں فرمائے تھے تو پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ کی وجہ اعتراض کیا تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے کام پر دو اعتراض تھے، ایک یہ کہ کتاب قرآن کے کام میں انہیں کیوں شریک نہیں کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ دوسرے مصاحف کو نذر آتش کیوں

کیا گیا؟

پہلے اعتراض کا ذکر صحیح ترمذی کی ایک روایت میں امام زہریؒ نے فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ شکایت تھی کہ کتابت قرآن کا کام اُن کے حوالے کیوں نہیں کیا گیا، جبکہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں زیادہ طویل عرصہ تک آنحضرت ﷺ کی صحبت سے استفادہ کیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عذر یہ تھا کہ انہوں نے یہ کام مدینہ طیبہ میں شروع کیا تھا اور حضرت ابن مسعودؓ اس وقت کوفہ میں تھے اور حضرت عثمانؓ اُن کے انتظار میں یہ کار خیر مؤخر فرمانا نہیں چاہتے تھے اس کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی حضرت زید بن ثابتؓ ہی کو یہ کام سونپا تھا۔ اس لیے انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ جمع و ترتیب قرآن کا یہ مرحلہ بھی انہی کے ہاتھوں انجام پائے۔ [فتح الباری: ۱۶۷۹]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دوسرا اعتراض یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ نئے مصاحف تیار کرنے کے بعد باقی تمام انفرادی مصاحف کو نذر آتش کرنے کا حکم دے دیا تھا اور وہ اپنا مصحف نذر آتش کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ انہیں سمجھانے کے لیے تشریف لے گئے، لیکن انہوں نے فرمایا کہ:

”والله لا أدفعه إليهم، أقرأني رسول الله ﷺ بضعا وسبعين سورة ثم ادفعه إليهم، والله لا أدفعه إليهم“ [متدرک حاکم: ۲۸/۲، قال الحاکم: ”هذا حديث صحيح الاسناد وأقره الذهبي“]

”خدا کی قسم میں یہ مصحف ان کے حوالے نہیں کروں گا، مجھے رسول اللہ ﷺ نے ستر سے زیادہ سورتیں سکھائیں ہیں، پھر میں یہ مصحف انہیں دے دوں؟ خدا کی قسم میں انہیں نہیں دوں گا۔“

جن حضرات نے کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کے مطابق اپنے مصاحف لکھ رکھے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی یہی ترغیب دی کہ وہ اپنے مصاحف حوالہ نہ کریں، حضرت خمیر بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”أمر بالمصاحف أن تغير قال قال ابن مسعود من استطاع منكم أن يغسل مصحفه فليغسله..... ثم قال قرأت من فم رسول الله ﷺ سبعين سورة، أفأترك ما أخذت من في رسول الله ﷺ وعلى وصحبه وسلم“ [الفتح الرباني تبويب مسند احمد: ۳۵/۱۸]

”مصاحف میں تبدیلی کا حکم دیا گیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (لوگوں سے) فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اپنے مصحف کو چھپا سکے وہ ضرور چھپالے..... پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ستر سورتیں پڑھی ہیں تو کیا میں وہ چیز چھوڑ دوں جو میں نے براہ راست آنحضرت ﷺ کے ذہن مبارک سے حاصل کی ہے۔“

اس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف عثمانی مصاحف سے کچھ مختلف تھا اور آپ اسے محفوظ رکھنا چاہتے تھے، لیکن اس میں کیا چیزیں عثمانی مصاحف سے مختلف تھیں؟ اس کی صراحت صحیح روایات میں نہیں ملتی، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مصحف میں بنیادی فرق سورتوں کی ترتیب کا تھا، یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جن صحف میں قرآن کریم کو جمع فرمایا تھا ان میں سورتیں الگ الگ لکھی ہوئی تھیں اور ان میں ترتیب نہیں تھی اور حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف لکھوائے اُن میں سورتوں کو ایک خاص ترتیب سے جمع کر دیا گیا تھا۔

امام حاکم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

جون ۲۰۱۹ء

”إن جمع القرآن لم يكن مرة واحدة فقد جمع بعضه بحضرة رسول الله ﷺ ثم جمع بعضه بحضرة أبي بكر الصديق، والجمع الثالث هو في ترتيب السورة، كان في خلافة أمير المؤمنين عثمان بن عفان“ [المستدرک للحاکم: ۲۲۹/۲]

”جمع قرآن کا کام ایک ہی مرتبہ میں مکمل نہیں ہوا، بلکہ قرآن کا کچھ حصہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں جمع ہو گیا تھا، پھر کچھ حصہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں ہوا اور جمع قرآن کا تیسرا مرحلہ وہ تھا جن میں سورتوں کو مرتب کیا گیا، یہ کام امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت میں ہوا۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف حضرت عثمانؓ کے مصاحف سے ترتیب میں بہت مختلف تھا، مثلاً اس میں سورہ نساء پہلے اور سورہ آل عمران بعد میں تھی۔ [علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ابن اشتر رحمہ اللہ کے حوالہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کی پوری ترتیب نقل کی ہے جو مصاحف عثمانی سے بہت مختلف ہے۔ (الانقاف: ۶۶۸)] اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شاید اسی ترتیب کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے قرآن کریم سیکھا ہوگا۔ اس لیے اُن کی خواہش تھی کہ یہ مصحف اسی ترتیب پر باقی رہے اس کی تائید صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہوتی ہے کہ عراق کا ایک باشندہ ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا:

”يا أم المؤمنين أريني مصحفك، قالت لم؟ قال لعلی أؤلف القرآن عليه، فإنه يُقرأ غير مؤلف، قالت وما يضرُّك آية قرأت قبل“ [صحيح البخاري: ۳۹۹۳]

”اس نے کہا کہ اُم المؤمنین! مجھے اپنا مصحف دکھائیے، حضرت عائشہؓ نے پوچھا کیوں؟ کہنے لگا تاکہ میں (اپنے) قرآنی مصحف کو اس کے مطابق ترتیب دے لوں، اس لیے کہ وہ (ہمارے علاقہ میں) غیر مرتب طریقہ سے پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ قرآن کا جو حصہ بھی تم پہلے پڑھ لو تمہارے لیے مضرب نہیں۔“

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ یہ عراقی شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت پر کاربند تھا اور چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنا مصحف نہ بدلا تھا اور نہ اُسے ناپود کیا تھا، اس لیے اس کی ترتیب عثمانی مصاحف سے مختلف تھی اور ظاہر ہے کہ عثمانی مصاحف کی ترتیب میں مناسبتوں کی رعایت دوسرے مصاحف کے مقابلہ میں زیادہ تھی اس لیے اس عراقی شخص نے اپنے مصحف کو عثمانی مصحف کے مقابلہ میں غیر مرتب قرار دیا۔

[فتح الباری: ۳۲۶/۹]

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بنیادی فرق سورتوں کی ترتیب کا تھا، اس کے علاوہ ہو سکتا ہے کہ رسم الخط کا فرق بھی ہو اور اس میں ایسا رسم الخط اختیار کیا گیا ہو جس میں عثمانی مصاحف کی طرح تمام قراءتوں کی گنجائش نہ ہو، ورنہ اگر حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق یہ کہا جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ حروف کو ختم کر کے صرف ایک حرف پر قرآن لکھوایا تھا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف انہی متروک حروف میں سے کسی حرف لکھا ہوا تھا، تو اس پر مندرجہ ذیل اعتراضات واقع ہوتے ہیں:

① صحیح بخاری کی مذکورہ بالا حدیث میں عراقی باشندے نے صرف سورتوں کی ترتیب کا اختلاف کا ذکر کیا ہے، ورنہ اگر حرف کا اختلاف بھی ہوتا تو وہ زیادہ اہم تھا، اسے زیادہ اہتمام سے ذکر کیا جاتا۔

② حافظ ابن جریرؒ وغیرہ کے قول کے مطابق سات حروف سے مراد سات مختلف قبائل کی لغات ہیں، اگر یہ بات صحیح ہوتی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں اور عثمانی مصاحف میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے تھا، کیونکہ اس قول

کے مطابق حضرت عثمانؓ نے سب کو حرف قریش پر جمع کر کے اسی کے مطابق مصاحف لکھوائے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی قریشی تھے۔

③ حافظ ابن جریرؒ اور اُن کے تبعین نے چھ حروف کو ختم کرنے پر سب سے بڑی دلیل اجماع صحابہؓ کی ہے، لیکن اگر حضرت ابن مسعودؓ کی اور حرف پر پڑھتے اور اس کی کتابت کو جائز سمجھتے تھے تو یہ اجماع کیسے متحقق ہو سکتا ہے، جس اجماع میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے فقیہ صحابی شامل نہ ہوں وہ اجماع کہلانے کا مستحق ہی کہاں ہے۔ بعض حضرات نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے بعد میں حضرت عثمانؓ کی رائے کو قبول کر لیا تھا، لیکن اس بارے میں کوئی صریح روایت موجود نہیں ہے۔

حافظ ابن جریرؒ لکھتے ہیں:

”ابن ابی داؤدؒ نے ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے کہ ”ابن مسعودؓ کا بعد میں حضرت عثمانؓ کے عمل پر راضی ہو جانا“ لیکن اس باب کے تحت کوئی ایسی صریح روایت نہیں لاسکے جو اس عنوان کے مطابق ہو۔“ [فتح الباری: ۹/۴۰۹]

حافظ ابن جریرؒ وغیرہ کے قول پر ان اعتراضات کا کوئی جواب نہیں ملتا، لہذا صحیح یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ساتوں حروف عثمانی مصاحف میں باقی رکھے ہیں اور حضرت ابن مسعودؓ کا اعتراض یہ نہیں تھا کہ چھ حروف کیوں ختم کر دیے گئے؟ [صرف ایک روایت مسند احمد میں ایسی ملتی ہے جس سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے چھ حروف ختم فرمادیے تھے اور حضرت ابن مسعودؓ کو اسی پر اعتراض تھا۔] دیکھئے: (الفتح الربانی: ۱۸/۳۶۸) لیکن وہ ایک مجہول شخص سے مروی ہے، اس لیے مستند نہیں ہے، کیونکہ فی الواقع ایسا ہوا ہی نہیں تھا، بلکہ اعتراض یہ تھا کہ جو مصاحف پہلے سے لکھے ہوئے موجود ہیں اور جن کی ترتیب اور رسم الخط عثمانی مصاحف کے مطابق نہیں ہے انہیں ضائع کیوں کیا جا رہا ہے جبکہ وہ بھی درست ہیں۔

نتائج بحث

”حروف سبعہ“ کی یہ بحث اندازے سے طویل ہو گئی، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حاصل ہونے والے نتائج کا خلاصہ آخر میں پیش کر دیا جائے، تاکہ اسے یاد رکھنا آسان ہو:

① اُمت کی آسانی کی خاطر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ فرمائش کی کہ قرآن کریم کی تلاوت کو صرف ایک ہی طبقے میں منحصر نہ رکھا جائے، بلکہ اُسے مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی جائے، چنانچہ قرآن کریم سات حروف پر نازل کر دیا گیا۔

② سات حروف پر نازل کرنے کا رائج ترین مطلب یہ ہے کہ اس کی قراءت میں سات نوعیتوں کے اختلافات رکھے گئے، جن کے تحت بہت سی قراءتیں وجود میں آئیں۔

③ شروع شروع میں ان سات وجوہ اختلاف میں سے اختلاف الفاظ و مرادفات کی قسم بہت عام تھی یعنی ایسا بکثرت تھا کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہوتا تھا اور دوسری قراءت میں اس کا ہم معنی کوئی دوسرا لفظ، لیکن رفتہ رفتہ جب اہل عرب قرآنی زبان سے پوری طرح مانوس ہو گئے تو یہ قسم کم ہوتی گئی یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا آخری دور کیا (جسے

اصطلاح میں عرضہ اخیرہ کہتے ہیں) تو اس میں اس قسم کے اختلافات دور کر دیئے گئے اور زیادہ تر صیغوں کی بناوٹ، تذکیر و تاثیب، افراد و جمع، معروف و مجہول اور لہجوں کے اختلافات باقی رہے۔

۴۲ جتنے اختلافات عرضہ اخیرہ کے وقت باقی رہ گئے تھے، حضرت عثمانؓ نے ان سب کو اپنے مصاحف میں اس طرح جمع فرمادیا کہ ان کو قفطوں اور حرکات سے خالی رکھا، لہذا قراءتوں کے بیشتر اختلافات اس میں سما گئے، اور جو قراء تیں اس طرح ایک مصحف میں نہیں ساسکیں انہیں دوسرے مصاحف میں ظاہر کر دیا، اسی بناء پر عثمانی مصاحف میں کہیں کہیں ایک ایک دو دو لفظ کا اختلاف پیدا ہوا۔

۴۳ حضرت عثمانؓ نے اس طرح سات مصاحف لکھوائے اور ان میں سورتوں کو بھی مرتب فرمادیا جبکہ حضرت ابو بکرؓ کے صحیفوں میں سورتیں غیر مرتب تھیں، نیز قرآن کریم کے لیے ایک رسم الخط متعین کر دیا اور جو مصاحف اس ترتیب اور اس رسم الخط کے خلاف تھے انہیں نذر آتش کر دیا۔

۴۴ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف کی ترتیب عثمانی مصاحف سے مختلف تھی اور وہ اس ترتیب کو باقی رکھنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنا مصحف نذر آتش کرنے کے لیے حضرت عثمانؓ کے حوالے نہیں کیا۔

سات حروف کے بارے میں اختلاف آراء کی حقیقت ایک غلط فہمی کا ازالہ

آخر میں ایک اور بنیادی غلط فہمی کا ازالہ کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ 'سبعہ احرف' کی مذکورہ بحث کو پڑھنے والا دوسری طور پر اس شبہ میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم جیسی بنیادی کتاب کے بارے میں جو حفاظت خداوندی کے تحت آج تک بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے محفوظ چلی آ رہی ہے مسلمانوں میں اتنا زبردست اختلاف آراء کیسے پیدا ہو گیا؟ لیکن 'سبعہ احرف' کی بحث میں جو اقوال ہم نے پیچھے نقل کئے ہیں اگر ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو اس شبہ کا جواب بآسانی معلوم ہو جاتا ہے، جو شخص بھی اس اختلاف آراء کی حقیقت پر غور کرے گا اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ سارا اختلاف محض نظریاتی نوعیت کا ہے اور عملی اعتبار سے قرآن کریم کی حقانیت و صداقت اور اس کے بعینہ محفوظ رہنے پر اس اختلاف کا کوئی ادنیٰ اثر بھی مرتب نہیں ہوتا، کیونکہ اس بات پر دلالت کا بلا استثناء اتفاق ہے کہ قرآن کریم جس شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہے وہ تواتر کے ساتھ چلا آ رہا ہے، اس میں کوئی ادنیٰ تغیر نہیں ہوا، اس بات پر بھی تمام اہل علم متفق ہیں کہ قرآن کریم کی متننی قراءتیں تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت اُن میں سے ہر ایک کے مطابق کی جاسکتی ہے۔

اس بات پر بھی پوری اُمت کا اجماع ہے کہ متواتر قراءتوں کے علاوہ جو شاذ قراءتیں مروی ہیں انہیں قرآن کریم کا جزء قرار نہیں دیا جاسکتا، یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ 'عرضہ اخیرہ' یا اس سے پہلے جو قراءتیں منسوخ کر دی گئیں، وہ خود آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے بموجب قرآن کا جزء نہیں رہیں، یہ بات بھی سب کے نزدیک ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ قرآن کے سات حروف میں جو اختلاف تھا وہ صرف لفظی تھا، مفہوم کے اعتبار سے تمام حروف بالکل متحد تھے، لہذا اگر کسی شخص نے قرآن کریم صرف ایک قراءت یا حرف کے مطابق پڑھا ہو تو اسے قرآنی مضامین حاصل ہو جائیں گے اور قرآن کی ہدایات حاصل کرنے کے لیے اسے کسی دوسرے حرف کو معلوم کرنے کی احتیاج نہیں ہوگی، اس میں بھی کوئی ادنیٰ اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف تیار کرائے وہ کامل احتیاط، سینکڑوں صحابہ کرامؓ

کی گواہی اور پوری اُمت مسلمہ کی تصدیق کے ساتھ تیار ہوئے تھے اور ان میں قرآن کریم ٹھیک اس طرح لکھ دیا گیا تھا جس طرح وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور اس میں کسی ایک تنفس کو بھی اختلاف نہیں ہوا۔ [حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے مصحف کو باقی رکھنے پر تو مصر رہے، لیکن مصاحف عثمانی کی کسی بات پر انہوں نے ادنیٰ اختلاف نہیں فرمایا]

لہذا جس اختلاف کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے وہ صرف اتنی بات میں ہے کہ حدیث میں 'سات حروف' سے کیا مراد تھی؟ اب جتنی متواتر قراءتیں موجود ہیں، وہ 'سات حروف' پر مشتمل ہیں یا صرف ایک حرف پر؟ یہ محض ایک علمی نظریاتی اختلاف ہے، جس سے کوئی علمی فرق واقع نہیں ہوتا، اس لیے اس سے یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ ان اختلافات کی بناء پر قرآن کریم معاذ اللہ مختلف فیہ ہو گیا ہے، اس کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے ایک کتاب کے بارے میں ساری دنیا اس بات پر متفق ہو کہ یہ فلاں مصنف کی لکھی ہوئی ہے، اس مصنف کی طرف اس کی نسبت قابل اعتماد ہے اور خود اُس نے اُسے چھاپ کر تصدیق کر دی کہ یہ میری لکھی ہوئی کتاب ہے اور اس نسخے کے مطابق قیامت تک اسے شائع کیا جاسکتا ہے، لیکن بعد میں لوگوں کے درمیان یہ اختلاف پیدا ہو جائے کہ مصنف نے اپنے مسودے میں طباعت سے قبل کوئی لفظی ترمیم کی تھی یا جیسا شروع میں لکھا تھا ویسا ہی شائع کر دیا، ظاہر ہے کہ محض اتنے سے نظری اختلاف کی بنا پر وہ روشن حقیقت مختلف فیہ نہیں بن جاتی جس پر سب کا اتفاق ہے، یعنی یہ کہ وہ کتاب اُسی مصنف نے اپنی ذمہ داری پر طبع کی ہے، اُسے اپنی طرف منسوب کیا ہے، اور قیامت تک اپنی طرف منسوب کر کے شائع کرنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح جب پوری اُمت اس بات پر متفق ہے کہ قرآن کریم کو مصاحف عثمانی میں ٹھیک اُسی طرح لکھا گیا ہے جس طرح وہ نازل ہوا تھا، اور اس کی تمام متواتر قراءتیں صحیح اور منزل من اللہ ہیں، تو یہ حقائق اُن نظری اختلافات کی بناء پر مختلف فیہ نہیں بن سکتے، جو حروف سبعہ کی تشریح میں پیش آئے ہیں۔

